مفتیانِ اہل حق پر اعتراض
کرنے والے
غیر مقلّدین کا
اصلی چہرہ
ان کی اپنی تحریرات
کے آئینے میں
زیر نظر رسالہ غیر مقلّد ابو الاسجد صدیق رضا
اور ابو جابر دامانوی نے مل کر جو اہل حق کے عظیم مفتی
شیخ الاسلام حضرۃ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم
پر مسئلہ تداوی بالمحرم کے سلسلے میں الزام لگایا ہے
اس کا ایک تحقیقی جواب ہے، نیز اس میں ان
غیر مقلّدین کو اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے مذہب
پر غور و فکر کی دعوت بھی دی گئی ہے
اہل حق سے غیر مقلّدین کو چڑ کیوں؟ اسکا جواب
مجتہد اور غیر مجتہد کا مقام اور وظیفۂ کار کیا ہے؟
غیر مقلّدین کے متضاد فتاویٰ کی چند مثالیں
فروعی اختلاف اور اس کی حیثیت
فروعی اختلاف کو مذموم اور بُرا سمجھنا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دشمنی ہے
کیا موجودہ غیر مقلّدین اپنے قدیم اکابر علماء کو گمراہ سمجھتے ہیں؟ جی ہاں
فرقۂ غیر مقلّدیت نے اُمت کو درجنوں اختلافات مذمومہ میں مبتلا کیا ہے
جنّت کے قافلے کتنے اور کون کون سے ہیں؟
غیر مقلّدین سے صرف چار حدیثوں کا مطالبہ اور چند اُصول و قواعد کی وضاحت؟
مُرتّب
حضرۃ مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب
رئیس دار الافتاء جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم
تلمیذ رشید
حضرۃ اقدس مفتی اعظم پاکستان
حضرۃ مولانا مفتی رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ
خلیفہ مجاز
حضرۃ اقدس عارف باللہ مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم
ناشر
جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

﴿فہـــــرســــت﴾

مقدمۃ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد !

اہل حق کے اکابر مفتیان کرام زید مجدہم پر بلا وجہ کیچڑ اچھالا جائے اور ان کے وفادار اصاغر خاموش رہیں یہ ناممکن ہے۔ ہماری تمام تر صلاحیتیں مسلک حق یعنی اہل السنۃ والجماعۃ اور اس پر عمل پیرا حضرات کی خدمت کے لئے وقف ہیں۔

زیر نظر رسالہ بنام ''غیر مقلدین کا اصلی چہرہ ان کی اپنی تحریرات کے آئینے میں'' بھی اسی خدمت کا ایک ادنی سا حصہ ہے۔ رسالہ میں پہلے معترضین کا اصلی چہرہ ان کی معتبر کتب کے حوالے سے دکھایا گیا تا کہ عوام الناس کے لئے فیصلے میں دشواری نہ ہو اور بآسانی اس حقیقت تک رسائی ہو جائے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا ہر پھول اصلی اور خوشبو دار ہے جبکہ معترضین کے پاس صرف کاغذی پھول ہیں جو دور سے دکھانے کے تو ہیں لیکن خوشبو سے محرومی کے سبب قریب کرنے اور بطور نمونہ پیش کرنے کے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ چودہ صدیوں میں کوئی ایک غیر مقلد ایسا نہیں گزرا جس نے قرآن و حدیث کے مطابق عقائد اور مسائل لکھے ہوں ورنہ یہ لوگ کم از کم ہر صدی میں ایک ایک غیر مقلد مصنف اور اس کی تصنیف کا نام بتاتے لیکن قیامت آجائے گی یہ کسی ایک کا نام بھی نہیں بتائیں گے۔

دوسرے نمبر پر ان کے بے جا اعتراض کو لے کر اصل حقیقت کی مختصر وضاحت پیش کی گئی ہے، جو بحمد اللہ تعالیٰ طالبِ حق کے لئے کافی شافی ہے۔

نیز پیش لفظ کے عنوان سے ایک مبسوط مقدمہ لکھا گیا ہے تا کہ ان لا مذہبوں کی اہلِ حق سے ناراضی کی بنیادی وجوہ بھی سامنے آجائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مقدمہ احباب کے لئے بصیرت آموز اور قیمتی سرمایہ ثابت ہوگا............ **وما علینا الا البلاغ**

۸ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ

پیش لفظ

﴿غیر مقلدین کی فقہ سے ناراضی کے اسباب﴾

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد :

قارئینِ کرام ! غیر مقلدین (نام نہاد اہلحدیث) کی فقہ سے ناراضگی ، شدت اور گمراہی کا سبب دو غلطیاں ہیں ، جن میں ان کا ضدی اور ہٹ دھرم طبقہ دیدہ دانستہ مبتلا ہے اور مخلص طبقہ ان ضدی اور غالی لوگوں کے فریب اور دھوکے کا شکار ہے۔

اگر ان غلطیوں سے یہ لوگ تائب ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور پیاروں حضرات ائمہ مجتہدین و ماہرین قرآن وحدیث رحمہم اللہ تعالیٰ کے بغض و کینہ اور مخالفت سے محفوظ ہو جائیں اور ''من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب ''، یعنی جس نے میرے پیارے دوست سے دشمنی کی اس سے میری (اللہ تعالیٰ کی) طرف سے اعلان جنگ ہے ، کی شدید وعید سے بچ جائیں گے۔ ہم مختصراً ان دونوں غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کا مدلل بطلان قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہئیں گے۔

؎ شاید کہ اتر جائے کسی دل میں میری بات

غلطی نمبر۱

چونکہ مجتہدین معصوم نہیں اس لیے ہم ان کی تقلید نہیں کرتے بلکہ تحقیق کر کے ان کے صحیح اور غلط اجتہادات کو جانچتے ہیں تا کہ غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہا جائے۔

غلطی نمبر۲

ہر اختلاف مذموم اور بُرا ہے خواہ وہ اصول اور عقائد کا اختلاف ہو یا فروع و اعمال کا یا سنت و بدعت کا چونکہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ میں بھی فروعی مسائل میں اختلاف ہے۔ اسوجہ سے ہم غیر مقلدین اِن ائمہ سے بھی ناراض ہیں۔

غلطی نمبر۱ کا بطلان

نام نہاد اہلحدیث میں یہ غلطی ان کے بڑے بھائی منکرینِ حدیث سے آئی ہے انہوں نے انکارِ حدیث کے لیے آسان اور کامیاب بہانہ یہ تلاش کیا ہے کہ چونکہ محدثین معصوم نہیں اس لیے ہم تحقیق کر کے ان کی غلطی کو غلط اور صحیح کو صحیح کہنا چاہتے ہیں غیر مقلدین نے بعینہ یہی بات ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے متعلق کہنا شروع کی کہ یہ معصوم نہیں لہٰذا ہمیں پرکھنے کا حق دیا جائے۔

قارئینِ کرام! اتنی بات تو صحیح اور یقینی ہے کہ حضرات ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ معصوم نہیں لیکن یہ بات ادھوری ہے جیسے حضرات ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ معصوم نہیں غیر مقلدین بھی تو معصوم نہیں مگر یہاں بات معصوم اور غیر معصوم کی نہیں بات اہل اور نااہل کی ہے کہ کون تحقیق کا اہل ہے اور کون نہیں جیسے محدثین اپنے فن میں اہل ہیں اور منکرینِ حدیث (نام نہاد اہل قرآن) نااہل ہیں خواہ اپنی جماعت میں کتنے بڑے مصنف ہوں جیسے محمد اسلم جیراج پوری ''سابق اہل حدیث'' اور غلام احمد ''سابق اہل حدیث'' لیکن محدثین کے سامنے فن حدیث میں نااہل ہیں ان کی باتوں کو تحقیق نہیں کہا جائے گا بلکہ نااہل کی منازعت کہا جائے گا جو شرعاً گناہِ کبیرہ ہے اسی طرح

ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ اور غیر مقلد میں یہ فرق نہیں کہ مجتہدین غیر معصوم ہیں اور غیر مقلدین معصوم ہیں بلکہ فرق یہ ہے کہ وہ لوگ باجماع امت اہل اجتہاد سے ہیں اور یہ لوگ باجماع امت نااہل ہیں اس لیے ان نااہلوں کا حضرات مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے الجھنا نااہل کی منازعت ہے۔آپ ﷺ جب بیعت لیتے تو اس میں یہ عہد بھی لیتے ''اَنْ لَّانُنَازِعَ الْأَمْرَ أَھْلَهٗ '' کہ ہم اہل امر سے منازعت (جھگڑا اور اختلاف) نہیں کریں گے۔تعجب ہے کہ حدیث جس کو منازعت اور بے جا اختلاف قرار دے یہ لوگ اس کا نام تحقیق رکھیں۔

الحاصل: مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا نام تحقیق نہیں بلکہ نااہل کی منازعت ہے۔

کیا نااہل کو تحقیق واستنباط کی اجازت ہے؟

نااہل کا معاملہ مجتہد کے معاملہ کے بالکل برعکس ہے مجتہد (جو کہ اہل ہے) سے خطا بھی ہو جائے تو بھی اسے اجر ملتا ہے اور نااہل (جیسے غیر مقلدین) صحیح بات بھی پالے تو بھی اسے اجر کی بجائے گناہ ہوگا آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں :

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : اِتَّقُوْا الْحَدِیْثَ عَنِّیْ اِلَّامَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ وَ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِرَأْیِہٖ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ (الترمذی ۲/۱۲۳)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :''مجھ سے صرف وہی باتیں نقل کیا کرو جو تمہیں یقینی طور پر معلوم ہوں اس لئے کہ جس نے قصداً میری طرف جھوٹی بات منسوب کی اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا،اور جو قرآن کریم میں اپنی رائے چلائے گا اس نے بھی اپنے لئے ٹھکانہ جہنم میں بنالیا ہے''

اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا :

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِرَأْیِہٖ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ (الترمذی ۲/۱۲۳)

یعنی جس نے قرآن میں اپنی رائے لگائی اور درست بات بھی پالی تو بھی وہ گناہ گار ہوگا۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ مجتہد ہر اجتہاد میں اجر پاتا ہے اگر اس کا اجتہاد درست نکلا تو دو اجر کا مستحق ہے، ایک اجر اجتہاد کا، دوسرا اصابت کا اور اگر اجتہاد خطا نکلا، تو بھی ایک اجر اجتہاد کا ملے گا، ہاں! جو نا اہل ہو، اس کو اجتہاد سے حکم کرنا کسی حال میں جائز نہیں، بلکہ وہ گناہ گار ہے اس کا حکم نافذ بھی نہ ہوگا، اگر چہ اس کا حکم حق کے موافق ہو یا مخالف، کیونکہ اس کا حق کو پالینا محض اتفاقی ہے کسی اصلِ شرعی پر مبنی نہیں، پس وہ تمام احکام میں گناہگار ہے حق کے موافق ہو یا مخالف اور اس کے نکالے ہوئے تمام احکام مردود ہیں اس کا کوئی عذر شرعاً مقبول نہیں۔ (شرح نووی علی ہامش صحیح مسلم ۲/۷۶)

افسوس ہے کہ منکرینِ حدیث اور غیر مقلدین نے اس گناہ کبیرہ ''جس کا ٹھکانہ دوزخ کے سوا کہیں نہیں'' کا نام تحقیق رکھا ہوا ہے۔ اور اس کو عمل بالقرآن اور عمل بالحدیث کہتے ہیں۔

اندھی تقلید کیا ہے؟

نام نہاد اہل حدیث کہتے ہیں کہ حضرات ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید اندھی تقلید ہے، لہٰذا اسے چھوڑ دیئے اور ہمارے ساتھ مل جایئے۔

قارئین کرام! ان نا اہل، نام نہاد اہل حدیث کی جہالت کی انتہاء دیکھئے! انہیں تو اندھی تقلید کا معنی تک نہیں آتا۔ اندھی تقلید اس کو کہتے ہیں کہ اندھا اندھے کے پیچھے چلے، تو لازماً دونوں کسی کھائی میں گر جائیں گے۔ اگر اندھا کسی آنکھوں والے کے پیچھے چلے، تو آنکھ والا اپنی آنکھ کی برکت سے اپنے آپ کو بھی اور اس اندھے کو بھی ہر کھائی سے بچا کر لے جائے گا اور منزل تک پہنچا دے گا۔ حضرات ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ معاذ اللہ اندھے نہیں، عارف اور بصیر ہیں۔ البتہ اندھی تقلید کے شکار وہ لوگ ہیں جو خود بھی اندھے ہیں اور ان کے پیشوا بھی اجتہاد کی آنکھ سے محروم ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا يَّنْتَزِعُهٗ

مِنَ الْعِبَادِ ، وَ لٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ(اى الله) عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُهَّالاً فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَ أَضَلُّوْا. متفق عليه (مشكوة ۱ /۳۳)

جو جاہل کو دینی پیشوا بنائے تو وہ جاہل خود بھی گمراہ ہوگا اور اپنے ماننے والے کو بھی گمراہ کرے گا یہ اندھی تقلید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پیغمبر معصوم ﷺ اور مجتہد ماٗ جور رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور فتنوں سے محفوظ فرمائیں۔

تحقیق اور استنباط نا اہل کا کام کیوں نہیں؟

قارئین کرام! تحقیق نا اہل کا مقام نہیں۔ کیونکہ اس میں جب تک تین باتوں کی تحقیق مکمل نہ ہو جائے اسے تحقیق نہیں کہا جا سکتا۔ وہ تین باتیں جن کی تحقیق ضروری ہے، یہ ہیں۔

(۱) ''دلیل'' مثلاً حدیث جس سے حکم ثابت کیا جاتا ہے، وہ خود ثابت اور صحیح ہو۔

(۲) ''اس دلیل'' مثلاً حدیث سے جو سمجھا جاتا ہے، وہی مراد رسول ﷺ ہو۔ وہ معنی اور مطلب، مراد رسول ﷺ کے خلاف نہ ہو۔

(۳) اگر اس دلیل و حدیث کے معارض کوئی اور حدیث ہو تو اس تعارض اور اختلاف کو رفع کیا جائے۔

حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے ساری عمر پہلی بات کی تحقیق میں صرف فرما دی ، مراد رسول ﷺ کے سمجھنے کو اور رفع تعارض کو مجتہدین کے حوالے کر دیا ہے۔ البتہ مجتہدین کی تحقیق کامل ہوتی ہے۔ وہ ثبوت ، دلالت یعنی مراد رسول اا ور رفع تعارض تینوں کی پوری پوری تحقیق کرتے ہیں اسی لئے اِن آخری دو باتوں میں خود حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ بھی حضرات مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی تقلید کا نتیجہ ہے کہ حضرات محدثین علیہم الرحمۃ کا ذکر چار ہی قسموں کی کتابوں میں ملتا ہے۔

(۱) طبقات حنفیہ (۲) طبقات مالکیہ (۳) طبقات شافعیہ (۴) طبقات حنابلہ

طبقات غیر مقلدین نامی کوئی کتاب محدثین کے حالات میں آج تک کسی مسلّم مؤرخ و محدث

نے نہیں لکھی۔

قارئین عظام! چونکہ ان تین باتوں کی تحقیق اہل فن اور ماہر کتاب وسنت ہی کا کام ہے، نہ کہ نا اہل کا۔ نا اہل میں یہ صلاحیت اور استعداد ہی نہیں کہ ان تین باتوں سے متعلق کچھ کر سکے جبکہ ان کے بغیر تحقیق نامکمل ہی رہتی ہے۔

نا اہل کا مقام مجتہد کی تقلید ہے نہ کہ ان پر اعتراض...!

چونکہ نا اہل نہ تو خود تحقیق واستنباط کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کے لئے تحقیق کرنا جائز ہے اس لئے اس پر واجب اور ضروری ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں مجتہد اور ماہر شریعت کی تقلید کرے۔ مجتہد کا اعلان ہے کہ ہم پہلے مسئلہ قرآن پاک سے لیتے ہیں، وہاں نہ ملے تو سنت سے، وہاں نہ ملے تو اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے، اگر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوجائے تو جس طرف حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہوں، اسے لیتے ہیں۔ اگر یہاں بھی نہ ملے تو اجتہادی قاعدوں سے مسئلہ کا حکم تلاش کر لیتے ہیں۔ جیسے حساب دان ہر نئے سوال کا جواب حساب کے قواعد کی مدد سے معلوم کرلیتا ہے اور وہ جواب اس کی ذاتی رائے نہیں ہوتا، بلکہ فنِ حساب کا ہی جواب ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حساب دان کے سامنے سوال آئے گا تو وہ خود حساب کے قاعدوں سے سوال کا جواب نکال لے گا اور جس کو حساب کے قاعدے نہیں آتے وہ حساب دان سے جواب پوچھ لے گا۔ اسی طرح مسائل اجتہادیہ میں کتاب وسنت پر عمل کرنے کے بھی دو ہی طریقے ہیں۔ جو شخص خود مجتہد ہوگا وہ خود قواعدِ اجتہادیہ سے مسئلہ تلاش کر کے کتاب وسنت پر عمل کرے گا اور غیر مجتہد یہ سمجھ کر کہ میں خود کتاب وسنت سے مسئلہ استنباط کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا اس لئے کتاب وسنت کے ماہر مجتہد سے پوچھ لوں، کہ اس میں کتاب وسنت کا کیا حکم ہے؟ اس طرح عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں اور مقلد ان مسائل کو مجتہد کی ذاتی رائے سمجھ کر عمل نہیں کرتا، بلکہ یہ سمجھ کر کہ مجتہد نے ہمیں مراد خدائے تعالیٰ اور مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہ کیا ہے۔

نا اہل کن مسائل میں مجتہد کی تقلید کرے گا؟

قارئین کرام! مسائل اجتہادیہ میں نا اہل یعنی غیر مجتہد، مجتہد کی تقلید کرے گا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ تقلید صرف مسائل اجتہادیہ ہی میں کی جاتی ہے اور حدیث معاذ رضی اللہ عنہ (جس کو نواب صدیق حسن خان غیر مقلد، حدیثِ مشہور فرماتے ہیں) اجتہاد اور اس کے مقام کے تعیّن کے لئے کافی دلیل ہے، کہ جو مسئلہ صراحۃً کتاب وسنت میں نہ ہو تو اس کا حکم رائے اور اجتہاد کے اصولوں سے کتاب وسنت سے مجتہد اخذ کرے گا۔

نا اہل کو تحقیق کا حق نہیں، اس کی دلیل کیا ہے؟

قارئین کرام! جس طرح دنیا میں ہر فن میں اُس کی بات مانی جاتی ہے جو اس فن میں کامل مہارت رکھتا ہو، نہ کہ فن سے نا آشنا کی۔ مثلاً ہیرے جواہرات کے بارے میں ماہر جوہری کی تحقیق مانی جائے گی، نہ کہ کسی موچی کی۔ سونے کے بارے میں کسی ماہر سنار کی تحقیق مانی جائے گی نہ کہ کسی لوہار کی، قانون میں تحقیقی بات ماہر قانون دان کی ہوگی نہ کہ کسی مداری کی۔ اسی طرح دین میں بھی دین کے ماہرین کی بات تحقیقی مانی جائے گی۔ ان ہی کے مستنبطہ اور نکالے ہوئے مسائل کو قبول کیا جائے گا نہ کہ ہر کندۂ ناتراش اور نادان کی بات کا اعتبار ہوگا۔

دلیل

جس طرح اللہ تعالیٰ نے تحقیق کا حکم دیا ہے اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی واضح طور پر فرما دی ہے کہ تحقیق کا حق کس کس کو ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق کا حق صرف دو ہستیوں کو ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسری ہستی مجتہد کی ہے۔ ان دو کے علاوہ سب نا اہل ہیں جن کو تحقیق کا حق نہیں۔

آیت کریمہ

وَاِذَا جَاءَھُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَوۡفِ اَذَاعُوۡا بِهٖ وَ لَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى الرَّسُوۡلِ وَ اِلٰى

أُولِی الْأَمْرِ مِنھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَتُہٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطَانَ اِلَّا قَلِیْلًا (النساء ۸۳)

’’اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف، تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول ﷺ کے اور جو اُن میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو اُن میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے بجز تھوڑے سے آدمیوں کے‘‘

آیت کریمہ کی مختصر تشریح

مفسر قرآن حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : یعنی ان منافقوں اور کم سمجھ مسلمانوں کی ایک خرابی یہ ہے کہ جب کوئی بات امن کی پیش آتی ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ کا کسی سے صلح کا قصد فرمانا یا لشکر اسلام کی فتح کی خبر سننا یا کوئی خبر خوفناک سن لیتے ہیں جیسے دشمنوں کا کہیں جمع ہونا یا مسلمانوں کی شکست کی خبر آنا) تو ان کو بلا تحقیق کیے مشہور کرنے لگتے ہیں اور اس میں اکثر فساد و نقصان مسلمانوں کو پیش آ جاتا ہے، منافق ضرر رسانی کی غرض سے اور کم سمجھ مسلمان کم فہمی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، یعنی کہیں سے کچھ خبر آئے تو چاہیے کہ اول پہنچائیں سردار تک اور اس کے نائبوں تک، جب وہ اس خبر کو تحقیق اور تسلیم کر لیویں تو ان کے کہنے کے موافق اس کو کہیں نقل کریں اور اس پر عمل کریں۔ (تفسیر عثمانی صفحہ ۱۱۹)

طرز استدلال

اس آیت کریمہ میں تحقیق کا حق پہلے نمبر پر حضرت رسول اکرم ﷺ کو دیا گیا ہے اور آپ ﷺ کے بعد اہل استنباط کو۔ جن کو اصطلاح میں مجتہدین کہتے ہیں۔

استنباط کا معنی

استنباط کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو پانی زمین کی تہہ میں پیدا کر کے عوام کی نظر سے چھپا رکھا

ہے، اس پانی کو کنواں وغیرہ بنا کر نکالنا۔

قارئین کرام! قرآن کریم کی یہ حد درجہ کی بلاغت ہے کہ اجتہاد اور فقہ کو لفظ استنباط کہہ کر ایسی عام فہم مثال سے اجتہاد اور فقہ کو سمجھایا جس سے ہر شخص آسانی سے اجتہاد اور فقہ کی حقیقت سمجھ سکتا ہے۔

قارئین عظام! اجتہاد اور فقہ کی حقیقت تین امور پر مشتمل ہے۔

(۱) فقہ، اسلامی زندگی کے لئے بے حد ضروری ہے اس کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور مردہ ہے۔

(۲) اجتہاد اور فقہ کسی شخص کی ذاتی خواہش کا نام نہیں، بلکہ قرآن وحدیث کے (اندر اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے) اُن مسائل کا نام ہے جن تک عوام کی رسائی ممکن نہیں۔

(۳) اجتہاد اور فقہ جدید مسائل گھڑنے کا نام نہیں۔ بلکہ روزِ اول سے جو مسائل قرآن کریم کی آیات اور احادیث مبارکہ میں ہیں، ان کے بیان کرنے کا نام ہے۔

مثال اور ممثل لہ میں مطابقت

قارئین کرام! لفظِ استنباط سے مثال دے کر "امرِ اول" اس طرح سمجھا دیا کہ انسانی زندگی کے لئے اتنا پانی ضروری ہے کہ اس کے بغیر نہ تو وضو ہو سکتا ہے نہ غسل، نہ کپڑے صاف ہو سکتے ہیں اور نہ کھانا پکایا جا سکتا ہے، اسی طرح اسلامی زندگی کے لئے فقہ ضروری ہے، عبادات ہوں یا معاملات، اقتصادیات ہوں یا سیاسیات، حدود ہوں یا تعزیرات، غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں فقہ کی رہنمائی ضروری نہ ہو۔

"امرِ ثانی" اس طرح سمجھا دیا کہ جس طرح زمین کی تہہ میں جو پانی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے نہ کہ اس انسان کا جس نے کنواں کھود کر اس کو نکال لیا ہے۔ جب بھی کوئی آدمی کسی کنویں کا پانی پیتا ہے تو اس عقیدے سے پیتا ہے کہ اس پانی کا ایک ایک قطرہ اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے نہ کہ

مستری اور کھودنے والے کا۔ مستری نے اپنی محنت اور اوزاروں کی مدد سے صرف اس کو ظاہر کر دیا تا کہ خلقِ خدا مستفید ہوں۔ اسی طرح فقہ اور اجتہاد و استنباط کسی شخص کی ذاتی خواہش کا نام نہیں بلکہ مجتہد کا دین کے باریک مسائل کو اصولِ فقہ کی مدد سے عوام کے سامنے ظاہر کرنے کا نام ہے تا کہ قرآن وحدیث کے ان مسائل پر عوام کے لئے عمل کرنا آسان ہو، یہی وجہ ہے کہ اصولِ فقہ میں ہر مجتہد کا ایک ہی اعلان ہوتا ہے ''اَلْقِیَاسُ مُظْهِرٌ لَّا مُثْبِتٌ'' کہ ہم قیاس کی مدد سے کتاب وسنت کی تہہ میں پوشیدہ مسائل کو صرف ظاہر کرتے ہیں، **حاشا و کلا** ہم ہرگز کوئی مسئلہ اپنی ذات سے گھڑ کر کتاب وسنت کے ذمہ نہیں لگاتے۔

''**امرِ ثالث**'' اس طرح سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین پیدا فرمائی اس دن سے یہ پانی اس کی تہہ میں پیدا فرما دیا، البتہ اس کا نکالنا ضرورت کے مطابق ہوتا رہا، کسی علاقہ میں کنویں چار ہزار سال پہلے بن گئے، کسی ملک میں چار ہزار سال بعد۔ لیکن جہاں بھی پانی نکالا گیا وہ اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کردہ تھا، کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ جن علاقوں میں پہلے پانی نکل آیا وہ تو اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ تھا اور جن علاقوں میں بعد میں کنویں بنائے گئے وہ بعد میں کسی انسان کا پیدا کردہ پانی تھا۔ اسی طرح پہلی صدی میں حضرات فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو اجتہادات فرمائے انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی مسائل بیان فرمائے اور دوسری صدی میں ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو اجتہادات فرمائے وہ بھی کتاب وسنت کے مسائل کا بیان اور تفصیل تھی، فرق صرف اس قدر رہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیوں کا اکثر حصہ جہاد میں گزرا، اس لیے ان نفوس قدسیہ کو اس کی مکمل تدوین کا موقع نہیں ملا، یہ سعادت حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی قسمت میں تھی کہ کتاب وسنت کے ظاہر اور پوشیدہ مسائل کو پوری تشریح اور تفصیل کے ساتھ نہایت آسان اور عام فہم ترتیب سے مدوّن فرمایا تا کہ قیامت تک مسلمانوں کو کتاب وسنت پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

قارئین کرام!

حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ناموں سے مشہور فقہی مسائل کو ان کی ذاتی خواہش اور

نوزائیدہ کہہ کر رد کرنا اور ان مسائل فقہیہ پر عمل کرنے والوں کو مشرک کہنا ایسی احمقانہ بات ہے جیسے کہ ایک شخص نے کنواں بنالیا ہزاروں لوگ اس سے پانی پی رہے ہیں وضوء، غسل کر کے نماز پڑھ رہے ہیں، کھانا پکا رہے ہیں، اب کوئی احمق شور مچا دے کہ اس کنویں کا تعارفی نام ''چوہدری نواب دین'' کا کنواں ہے اس لیے جو اس میں پانی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ پانی چوہدری نواب دین کا پیدا کیا ہوا ہے، چوہدری نواب دین اللہ تعالیٰ کا شریک بنا بیٹھا ہے جو لوگ اس کنواں سے پانی پیتے ہیں وہ مشرک ہیں، نہ ان کا وضوء صحیح ہے نہ غسل، نہ نماز درست ہے نہ روزہ ،تو کیا کوئی عقل مند آدمی اس احمق کی ان خرافات پر کان دھرے گا؟

غیر مقلدین کا حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے مقلدین کے ساتھ بعینہ وہی سلوک ہے جو سلوک اس احمق کا جناب چوہدری نواب دین اور اس کے بنائے ہوئے کنویں سے پانی لینے والوں سے ہے، حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت کے مسائل کو ظاہر کر دیا اور کنویں کی شکل دے دی ان کے مقلدین ان مسائل کے مطابق نماز ،روزہ ،حج اور زکوۃ میں مصروف ہو گئے ہمارے نام نہاد اہل حدیث دوست ان کے پیچھے پڑ گئے کبھی کہتے ہیں کہ یہ پانی اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا نہیں ورنہ اس کے ہر ہر قطرے پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا دکھاؤ، کبھی کہتے ہیں ساری عمر ایک ہی کنویں کے پانی سے وضوء کرنا یہ تو تقلید شخصی ہے اور یہ شرک ہے، ہر نمازی کا فرض ہے کہ فجر کی نماز کا وضوء اپنے گھر کے کنویں سے کرے، ظہر کا وضوء دوسرے ضلع کے کنویں سے ،عصر کا وضوء کسی اور صوبے کے کنویں سے، مغرب کا کسی اور سے اور عشاء کا کسی اور علاقہ کے کنویں سے کرے اگر سب نمازوں کے لیے وضوء ایک ہی کنویں کے پانی سے کرے گا تو گویا اس نے تقلید شخصی کی اور یہ شرک ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں، کہ جب ہم کنویں کے محتاج ہیں، تو جس کنویں کا پانی آسانی سے دستیاب ہو جائے ساری عمر اسی ایک کنویں کا پانی پینا، وضوء وغسل کرنا، کھانا پکانا بالکل درست ہے

اس کو شرک کہہ کر تمام مسلمانوں کو مشرک بنانا دین کی کوئی خدمت نہیں۔

مذکورہ آیۃ کریمہ امورِ جہادیہ کے ساتھ خاص ہے یا امور اجتہادیہ اور قیاس کو بھی شامل ہے؟

قارئینِ کرام! آیت کریمہ کو امور جہادیہ کے ساتھ خاص سمجھنا غلط ہے حضرات مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے عام رکھا ہے۔ مفسر عظیم امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

دَلَّتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلٰى اَنَّ الْقِيَاسَ حُجَّةٌ فِي الشَّرْعِ : وَذٰلِكَ لِاَنَّ قَوْلَهُ (اَلَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهُ مِنْهُمْ) صِفَةٌ لِّاُولِي الْاَمْرِ وَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى الَّذِيْنَ يَجِيْئُهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَنْ يَّرْجِعُوْا فِيْ مَعْرِفَتِهٖ اِلَيْهِمْ ، وَلَا يَخْلُوْا اِمَّا اَنْ يَّرْجِعُوْا اِلَيْهِمْ فِيْ مَعْرِفَةِ هٰذِهِ الْوَقَائِعِ مَعَ حُصُوْلِ النَّصِّ فِيْهَا، اَوْ لَا مَعَ حُصُوْلِ النَّصِّ فِيْهَا، وَالْاَوَّلُ بَاطِلٌ، لِاَنَّ عَلٰى هٰذَا التَّقْدِيْرِ لَا يَبْقَى الْاِسْتِنْبَاطُ لِاَنَّ مَنْ رَوَى النَّصَّ فِيْ وَاقِعَةٍ لَّا يُقَالُ : اَنَّهُ اِسْتَنْبَطَ الْحُكْمَ، فَثَبَتَ اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُكَلَّفَ بِرَدِّ الْوَاقِعَةِ اِلٰى مَنْ يَّسْتَنْبِطُ الْحُكْمَ فِيْهَا، وَلَوْ لَا اَنَّ الْاِسْتِنْبَاطَ حُجَّةٌ لَّمَا اَمَرَ الْمُكَلَّفَ بِذٰلِكَ فَثَبَتَ اَنَّ الْاِسْتِنْبَاطَ حُجَّةٌ وَّالْقِيَاسُ اِمَّا اِسْتِنْبَاطٌ اَوْ دَاخِلٌ فِيْهِ فَوَجَبَ اَنْ يَّكُوْنَ حُجَّةٌ اِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَنَقُوْلُ : الْاٰيَةُ دَالَّةٌ عَلٰى اُمُوْرٍ : اَحَدُهَا: اَنَّ فِيْ اَحْكَامِ الْحَوَادِثِ مَا لَا يُعْرَفُ بِالنَّصِّ بَلْ بِالْاِسْتِنْبَاطِ، وَثَانِيْهَا: اَنَّ الْاِسْتِنْبَاطَ حُجَّةٌ، وَّثَالِثُهَا: اَنَّ الْعَامِيَّ يَجِبُ عَلَيْهِ تَقْلِيْدُ الْعُلَمَاءِ فِيْ اَحْكَامِ الْحَوَادِثِ، وَرَابِعُهَا: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ مُكَلَّفًا بِاسْتِنْبَاطِ الْاَحْكَامِ لِاَنَّهُ تَعَالٰى اَمَرَ بِالرَّدِّ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُوْلِي الْاَمْرِ .(تفسير الكبير ۴/ ۱۵۴)

ترجمہ: یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ قیاس شرعی حجتوں میں سے ایک حجتِ شرعیہ ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد (الذین یستنبطونه منهم) ''اولی الامر'' کی صفت واقع ہے تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جن کے پاس امن کا معاملہ یا خوف کی کوئی بات پیش آئے اولی الامر کی طرف (اس معاملہ کی تحقیق کے بارے میں) رجوع کا حکم دیا ہے اور اہل معرفت کی طرف رجوع خالی نہیں یا تو اس واقع میں نص موجود ہوگی یا نہیں، صورت اولی باطل ہے (یعنی اس واقع کی معرفت میں رجوع جس میں نص موجود ہے) اس لئے کہ اس صورت میں استنباط باقی نہیں رہے گا

کیونکہ جس سے کسی واقع میں نص مروی ہو تو اس کی بابت یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے حکم مستنبط کیا پس ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مکلفین کو (تحقیقِ حال کے لئے) پیش آمدہ واقعہ کو اہل استنباط پر رد کرنے کا حکم دیا، اگر استنباط حجتِ شرعیہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ مکلّف کو اس رد کا حکم نہ دیتے پس ثابت ہو گیا کہ استنباط حجت ہے اور قیاس یا تو (خود نفسِ) استنباط ہو گا یا استنباط کے تحت داخل ہو گا (بہر صورت) اس کا حجت ہونا ثابت ہو گیا جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ درج ذیل امور پر دلالت کر رہی ہے۔

(۱) کہ بعض احکام وہ ہیں جو نص سے نہیں پہچانے جائیں گے بلکہ استنباط سے ثابت کیے جائیں گے۔

(۲) کہ استنباط حجتِ شرعیہ ہے۔

(۳) کہ عام لوگوں پر احکام حوادث میں علماء کی تقلید واجب ہے۔

(۴) کہ آپ ﷺ احکام کو استنباط سے ثابت کرنے کے مکلّف تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (پیش آمدہ واقعہ میں تحقیق کے لیے) رسول ﷺ اور اہل اجتہاد کی طرف رجوع کا حکم دیا۔

سؤال

مندرجہ بالا آیت میں (فضل ورحمت) سے کیا مراد ہے؟

کیا کسی ایک مفسر نے بھی یہ کہا ہے کہ اس سے مراد لوگوں کا امور اجتہادیہ میں حضرت رسول اکرم ﷺ اور حضرات مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے؟ اگر ہے تو حوالہ پیش کریں۔

جواب

جی ہاں حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ مِنَ الْفَضْلِ وَ الرَّحْمَةِ شَيْءٌ وَّاحِدٌ اَیْ لَوْلَا فَضْلُهٗ سُبْحَانَهٗ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ بِاِرْشَادِكُمْ اِلٰی سَبِيْلِ الرَّشَادِ الَّذِیْ هُوَ الرَّدُّ اِلَی الرَّسُوْلِ ﷺ وَاِلٰی اُولِی الْاَمْرِ. (روح المعانی ۳/۹۵)

ترجمہ: فضل اور رحمت سے ایک ہی شیء مراد ہے یعنی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی بایں طور کہ ہدایت کے راستے کی طرف تمہاری رہنمائی نہ کرتا، وہ ہدایت کا راستہ جس میں رسول ﷺ اور حضرات مجتہدین کی طرف رد اور رجوع ہوتا ہے (یعنی امور اجتہادیہ میں)

مقام رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ دین میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں گھڑتے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں اور صرف پہنچاتے ہی نہیں سکھاتے بھی ہیں۔ ان کی حیثیت معلم کی بھی ہے، وہ اپنے قول وفعل اور تقریر سے اس پیغام کی تشریح کرتے ہیں، وہ صرف مبلغ اور معلم ہی نہیں مبیّن بھی ہیں، اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں اس کی وحی کی تشریح کرتے ہیں، وہ قاضی اور حاکم بھی ہیں کہ احکام الٰہیہ کو نافذ کرتے ہیں، ان کی پوری زندگی وحی کے مطابق ڈھلی ہونے کی وجہ سے پوری کائنات کے لئے اسوۂ حسنہ ہے، وہ دین کے ہر فیصلے میں معصوم ہیں، یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور مہربانی تھی کہ اپنی پاک وحی کی تشریح اپنی نگرانی میں معصوم پیغمبر ﷺ سے کرادی تا کہ بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھنے اور عمل کرنے میں کسی پریشانی کا سامنا نہ ہو اور وہ حقوق بندگی پورے اطمینان کے ساتھ ادا کرسکیں۔ لیکن شیطان جو اولاد آدم کو گمراہ کرنے کی قسم کھا آیا تھا اس نے کتنے ہی لوگوں کو اپنے پیچھے لگا لیا کہ اللہ اور بندوں کے درمیان رسول کا واسطہ یقیناً ہے، لیکن اتنا جتنا ڈاکیہ اور چٹھی رساں کا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے کلام کا پہنچانا اس کا کام ہے اور سمجھنا ہمارا اپنا کام ہے۔ وہ لوگ دین کے نام پر لوگوں کو بے دین کرنے لگے اور شیطان کے پیچھے لگ کر یوں کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ مخلوق ہیں اگر ان کے کلام کو بھی مان لیا تو گویا مخلوق کو اللہ کے برابر مان لیا اور یہ شرک ہے چنانچہ پیغمبر پاک ﷺ سے منہ موڑ کر اپنی ذہنی سطح کے موافق اور اپنی خواہشات نفسانی کے موافق ایک نیا اسلام گھڑ لیا اس نئے اسلام کو اللہ خالق کا اسلام اور اصلی اسلام کو رسول کا گھڑا ہوا اسلام قرار دیا اور اپنا نام اہلِ قرآن رکھ لیا وہ لوگ اپنی ہر خواہش کو قرآن کا نام

دیتے ہیں جن کا انگریز کے دور سے پہلے کوئی ترجمۂ قرآن نہیں وہ قرآن کے مالک بن بیٹھے اور پوری امت کو رسول سمیت منکر قرآن قرار دیا بھولے بھالے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ غلط ہے کہ اہل قرآن نیا فرقہ ہے بلکہ جب سے قرآن ہے اسی وقت سے اہل قرآن بھی ہیں کبھی کہتے ہیں کہ جب قرآن سچا تو اہل قرآن بھی سچے، تم قرآن کو سچا مان کر اہل قرآن کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ پہلے (معاذ اللہ) قرآن کو جھوٹا کہو پھر اہل قرآن کو جھوٹا کہہ لینا جب اہل قرآن کی خرافات جسے وہ قرآن کے نام سے پیش کرتے ہیں غلط ثابت کیا جاتا ہے تو فوراً یہ کہہ کر جان چھڑا جاتے ہیں کہ ہم اس کو نہیں مانتے ہم صرف قرآن کو مانتے ہیں اگر آج کے اہل قرآن کو ماننا ضروری ہوتا تو رسول پاک ﷺ کو ہی مان لیتے ان کو کیوں چھوڑتے، اس طرح وہ شیطانی خرافات پھیلاتے بھی ہیں اور جان بھی بچاتے ہیں قرآن پاک نے خود اس طرز کو اتباع شیطان قرار دیا ہے نہ کہ اتباع قرآن۔

مجتہد کا مقام

مجتہد شریعت دان اور ماہر شریعت ہوتا ہے اور اس مہارت کی وجہ سے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے وہ گہرے اور مخفی مسائل جو ابتداء سے ان میں موجود ہیں اور ہر کس و ناکس کا ذہن وہاں تک نہیں پہنچتا، کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے شریعت ساز نہیں ہوتا، مجتہد اگرچہ معصوم نہیں ہوتا لیکن مطعون بھی نہیں ہوتا کہ اس کے اجتہاد پر کوئی طعن کرے کیونکہ وہ اپنے ہر ہر اجتہاد میں ماجور ہوتا ہے اگر وہ صواب کو پالے تو دو اجر کا مستحق ہے ورنہ ایک کا (کما فی حدیث البخاری) یہ مقام امت میں مجتہد کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں کہ اس کی خطا پر اجر کا وعدہ ہو۔

الحاصل: یہی دو ہستیاں (رسول اللہ ﷺ اور مجتہد) دین میں تحقیق، تشریح اور تفصیل کی حق دار ہیں اور دین کی پہرے دار ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور مہربانی ہے کہ تحقیق اور اجتہاد کا بوجھ ہم جیسوں ضعیفوں کے کندھوں پر نہیں ڈالا بلکہ مجتہدین کی تحقیق پر عمل کرنے کا حکم دے کر ایک طرف دین کو نااہلوں کی تحریف سے بچالیا دوسری طرف ہمیں اطمینان ہے کہ مجتہد کی رہنمائی میں کیا

ہوا عمل یقیناً اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقبول ہے اور ایک اجر کا بھی پکا یقین ہے اور دوسرے اجر کی اس کی رحمت واسعہ سے امید ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل اور مہربانی کی بھی بعض لوگوں نے قدر نہ کی اور مجتہدین سے بغاوت کر کے اپنی کم فہمی اور کج فہمی سے دین کی نئی نئی تشریحات شروع کر دیں، مجتہد کے بارے میں اللہ اور رسول ﷺ نے یہی بتایا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا مسئلہ ہی بتاتا ہے لیکن ان حضرات نے اس کے خلاف یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ مجتہد اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے خلاف مسئلے بتاتے ہیں۔ مجتہد کی تقلید شرک فی الرسالہ ہے تمام حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مشرک ہیں۔ ائمہ کرام نے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہیں۔ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنی اپنی حدیثِ نفس کا اتباع شروع کر دیا اور نام اہل حدیث رکھ دیا اور اپنے بھائیوں کی طرح کہنے لگے کہ اہل حدیث نیا فرقہ نہیں جب سے حدیث ہے اس وقت سے اہل حدیث بھی ہیں۔

نااہل کا مقام

نااہل چونکہ کتاب وسنت کی تحقیق کا اہل نہیں ہوتا اس لئے اس کا مقام اہل کی تقلید کرنا ہے، نہ کہ دین کی غلط تشریح کرنا۔

رسول اللہ ﷺ سے کسی سائل نے قیامت کے بارے میں سوال کیا، فرمایا: جب امانت ضائع کی جائے تو قیامت کا انتظار کر۔ سائل نے عرض کیا: حضرت! امانت کس طرح ضائع ہوتی ہے؟ فرمایا: جب کوئی امر نااہلوں کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کر (بخاری شریف ۱/۱۴)

آپ ﷺ نے کیسی عالمگیر حقیقت کا انکشاف فرمایا ہے! بتایئے...! کیا جب ڈاکٹری نسخے وکیل لکھنا شروع کر دیں تو ڈاکٹری پر قیامت نہ آئیگی؟ جب سونے کی جانچ سناروں کی بجائے کمہار کرنے لگیں تو قیامت نہیں آجائیگی؟ اسی طرح جب دین کی تشریحات نااہل کریں گے تو کیا دین پر قیامت نہ آئے گی؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ دین کا علم (کتاب وسنت کے الفاظ) نہیں اٹھایا جائے گا (بلکہ الفاظِ کتاب وسنت یہی رہیں گے) مگر اس کے علماء اٹھا لیے جائیں گے، یہاں تک کہ کوئی باقی نہ رہے گا

تو لوگ ناواقفوں کو اپنا دینی پیشوا بنالیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے (صحیح بخاری ۱/۲۰، فتح الباری ۱/۲۵۸)

دین کے اصل علماء مجتہدین ہی ہوتے ہیں، بعد کے علماء ناقل ہیں۔ جو نا اہل ہو کر خود اجتہاد پر اتر آتے ہیں وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اگرچہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اس گمراہی کا نام خوبصورت سا رکھ لیا جائے، جیسے انکار حدیث کی گمراہی کا نام ''اہل قرآن'' رکھ لیا گیا۔ صرف نام بدلنے سے حقیقت تو نہیں بدلتی۔ کیا تحریف القرآن کا نام ''تفہیم القرآن'' رکھنے سے حقیقت بدل گئی؟ تبراء بازی کا نام ''تنقیدِ صالح'' رکھنے سے حقیقت بدل گئی؟ نہیں.... ہرگز نہیں.... جس طرح اہل قرآن ہر فاسق و فاجر کو قرآن کے سمجھنے سمجھانے کا حق دیتے ہیں مگر نبی معصوم ﷺ سے یہ حق چھیننا چاہتے ہیں، اسی طرح اہل حدیث ہر فاسق و فاجر، ہر جاہل، کندہ ناتراش کو اجتہاد کا حق دیتے ہیں مگر ائمۂ مجتہدین جن کا مجتہد ہونا دلیل شرعی یعنی اجماعِ امت سے ثابت ہے اور وہ یقیناً اپنے ہر فیصلے میں ماٴجور ہیں، ان سے یہ حق چھیننا چاہتے ہیں۔ اہل قرآن و اہل حدیث کا ایک ہی مشن ہے کہ لوگ نبی معصوم ﷺ اور مجتہد ماٴجور کو چھوڑ کر جاہلوں کو اپنا دینی پیشوا بنالیں، جو خود بھی گمراہ ہوں اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں۔

غلطی نمبر۲ کا بُطلان

قارئینِ کرام! ہر قسم کے اختلاف کو ضلالت و گمراہی اور حق و باطل کا اختلاف کہنا بذات خود بہت بڑی گمراہی ہے اور متعدد باطل نظریات کا پیش خیمہ ہے ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

اقسامِ اختلاف

اختلاف کی تین قسمیں ہیں:

(۱) دین میں اختلاف، اس کو اسلام اور کفر کا اختلاف بھی کہتے ہیں۔

(۲) سنت اور بدعت کا اختلاف، یعنی ایک جانب اہل السنۃ والجماعۃ ہوتے ہیں اور دوسری

جانب اہل البدعۃ والھواء ہوتے ہیں۔

(۳) اجتہادی اختلاف، یعنی ایک مجتہد فروعی مسائل میں سے ایک مسئلے کا جو حکم بتاتا ہے دوسرا مجتہد اس کے خلاف بتاتا ہے۔

اختلاف کی پہلی قسم کی تفصیل

دین میں اختلاف یہ اسلام اور کفر کا اختلاف ہے تمام ضروریاتِ دین کو ماننا ایمان اور اسلام ہے اور کسی ایک امرِ ضروری کا انکار یا تاویلِ باطل کرنا کفر ہے۔

مثلاً عقیدہِ ختمِ نبوت ضروریاتِ دین میں سے ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ میں آپ ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتا تو وہ انکار کی وجہ سے کافر ہے اور اگر کوئی کہے کہ میں خاتم النبیین تو مانتا ہوں لیکن خاتم النبیین کا معنی آخری نبی نہیں، بلکہ اس کا معنی ہے "نبی گر" یعنی آپ ﷺ مہریں لگا لگا کر نئے نبی بنایا کرتے تھے تو یہ بھی کافر ہے تاویلِ باطل کی وجہ سے۔

ضروریاتِ دین کا مطلب

ضروریات دین وہ امورِ دینیہ ہیں جو ایسی نص اور دلیل سے ثابت ہوں جس کا ثبوت اور معنی پر دلالت دونوں قطعی اور یقینی ہوں اور ان امور کا دین میں سے ہونا ہر اس شخص کو معلوم ہو جس کا تھوڑا بہت دین سے تعلق ہو۔

تنبیہ

ضروریاتِ دین میں پوری امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے ان میں اختلاف صرف ضدی اور معاند وہٹ دھرم ہی کرسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البلد) اور ہم نے انسان کو دونوں راستے بتلائے ہیں یعنی جنت کا راستہ جس کو دین اسلام کہا جاتا ہے اور جہنم کا راستہ جس کو کفر کہا جاتا ہے دونوں اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں۔

قارئین کرام! غور کر کے فیصلہ کیجیے جب بتانے والے اللہ تعالیٰ ہیں تو پھر کس منہ سے ہم

کہیں گے کہ ہمیں جنت وجہنم کے راستہ کا پتہ نہیں چلتا کیا اللہ تعالیٰ سے بہتر وضاحت اور کھول کر بیان کرنے والا کوئی اور ہو سکتا ہے؟

برادرانِ محترم! ہمارا امتحان اس میں نہیں لیا جارہا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت وجہنم کے راستوں کو مخفی اور گول مول بیان کر کے ہمیں چکر میں ڈال دیا ہو کہ کوشش اور ریاضت سے معلوم کرتے رہو جس کو معلوم ہو جائے وہ کامیاب، ورنہ ناکام۔ بلکہ ہمارا امتحان اس میں لیا جارہا ہے کہ ہم نے صاف صاف کھول کر جنت کا راستہ بھی بتایا ہے اور جہنم کا بھی، اب تیرا امتحان ہے کہ تو کس راستہ پر چلتا ہے جو جنت کے راستے یعنی دین اسلام پر چلے گا کامیاب ہوگا اور جو شیطان اور نفس کے بہکانے سے جہنم کے راستے یعنی کفر کو اختیار کرے گا ناکام ہوگا۔ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں راستوں کا بیان یوں فرمایا ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (الشمس) پھر اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کو فجور یعنی جہنم کے راستہ اور تقوی یعنی جنت کے راستہ کا الہام کیا یعنی بتا دیا کہ یہ جنت کا راستہ ہے اور یہ جہنم کا راستہ۔

اختلاف کی دوسری قسم کی تفصیل

یعنی سنت اور بدعت کا اختلاف، اسکی مختصر تفصیل یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہونے والوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے بہتّر ان میں سے دوزخی ہوں گے اور ایک جنتی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ جنتی فرقہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا" مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ " یعنی وہ فرقہ جس کا طریقہ میری سنت کے موافق اور میرے صحابہ کے چال چلن کے مطابق ہو (مشکوۃ ۳۰، ط: قدیمی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تہتر فرقے سب کے سب دین محمدی میں داخل ہونے کی وجہ سے محمدی ہیں مگر نجات پانے والے صرف سنی محمدی ہیں۔

تائید از مولانا ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد صاحب

جناب نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ دائرہِ محمدیت میں مرزائی بھی شامل ہیں۔ لکھتے ہیں "اسلامی

فرقوں میں خواہ کتنا بھی اختلاف ہو مگر آخر کار نقطہ محمدیت پر جو درجہ ہے " **والذین معه** " کا سب شریک ہیں (**الی قوله**) مرزائیوں کا سب سے زیادہ مخالف میں ہوں مگر نقطہ محمدیت کی وجہ سے ان کو بھی اس میں شامل سمجھتا ہوں" (اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۶ اپریل ۱۹۱۵ء بحوالہ تجلیات صفدر ج ۲/ ۴۶)

دلچسپ واقعہ اور وضاحتِ حدیث

حضرت مولانا منصور علی صاحب فرماتے ہیں ہم کو ایک نئے بگڑے ہوئے لامذہب سے ملاقات کا اتفاق ہوا تو ہم نے پوچھا کہ آپ کا کون سا مذہب ہے جواب دیا محمدی ہم نے کہا سبحان اللہ! یہ تو سوال از آسمان جواب از ریسمان ہوا ہم کو دین محمدی پوچھنا مقصود نہیں ہم تو مذہب پوچھتے ہیں اور دین و مذہب میں تو استعمالاً عام خاص کا بڑا فرق ہے جب آپ نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی اور ہمارے سلام کا اسلامی جواب دیا اور نام اپنا مسلمانوں کا سا بتایا تو ہم کو آپ کا محمدی ہونا معلوم ہوا ہاں اگر ہمیں آپ کا اہل اسلام سے ہونا معلوم نہ ہوتا اور گمان ہوتا کہ شاید آپ یہودی یا عیسائی ہیں تو اس کے جواب میں آپ کا محمدی فرمانا صحیح ہوتا (جو بات ہمیں پہلے سے معلوم تھی وہ ہمارے بغیر پوچھے ہمیں بتادی اور جو ہم معلوم کرنا چاہتے تھے وہ پوچھنے پر بھی نہ بتائی) پھر ہم نے پوچھا آپ نے کچھ علم معانی اور بیان پڑھا ہے تاکہ آپ کو بات سمجھنے اور سمجھانے کا سلیقہ ہو، جواب دیا یہ دینی علوم نہیں بلکہ بدعت ہیں کیونکر پڑھتا، ہم نے کہا سچ ہے ہم کو آپ کے پہلے بے محل جواب ہی سے آپ کا مبلغ علم معلوم ہو گیا تھا، اب ان علوم کا بدعت کہنے سے مزید علم ہو گیا:

ے پہلے ہی سے نہ ان کی تھی کچھ قدر و منزلت مضمونِ خط نے اور ڈبو دی رہی سہی

پھر کہا کہ مذہب پوچھنے سے آپ کا کیا مقصود ہے اور آپ کی کیا غرض ہے؟ ہم تو اہل حدیث سے ہیں، حدیث کے موافق ہم سے سوال کیجئے پھر جواب لیجئے ہم نے کہا حدیث شریف سنیے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے کہ میری امت میں ۷۳ فرقے ہونگے، ۷۲ ان میں سے دوزخی ہیں اور ایک جنتی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ جنتی فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا رسول اللہ ﷺ

نے وہ فرقہ جس کا طریقہ میری سنت کے موافق اور میرے صحابہ کے چال چلن کے مطابق ہو، اور وہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے، ہم نے جو آپ سے پوچھا کہ آپ کا مذہب کیا ہے تو ہمارا مطلب یہ تھا کہ آپ جبری، قدری وغیرہ دوزخی فرقوں میں سے ہیں یا حنفی، مالکی، شافعی وغیرہ جنتی فرقوں میں سے؟ تاکہ حق و باطل، ناجی و ناری میں فرق ہو جائے اور لفظ محمدی سے ہمارا مقصود حاصل نہ ہوا کیونکہ ۷۳ فرقے سب محمدی ہیں، آپ کا محمدی ہونا ہمیں معلوم ہے یہ معلوم نہیں کہ دوزخی محمدی ہیں یا جنتی محمدی؟ کیونکہ ناجی جماعت کے باتفاق علماء اہل السنّت چار مذہب ہیں حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی اب لا مذہب صاحب سے کوئی جواب بن نہ آیا تو گھبرا کر بول اٹھے کہ ہم اور ہمارے سب باپ دادا حنفی المذہب تھے لیکن ہم نے ایک لا مذہب کے بہکانے سے اپنا نام محمدی رکھا (جیسے مرزائیوں نے مرزا کے بہکانے سے اپنا نام احمدی رکھا) تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ ہم سے اس نے اس طرح پوچھا کہ تم کلمہ کس کا پڑھتے ہو؟ ہم نے کہا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ کہا شاباش۔ پھر پوچھا قبر میں منکر نکیر نبی کا نام پوچھیں گے تو کیا بتاؤ گے؟ ہم نے کہا: محمد رسول اللہ ﷺ کہا مرحبا پھر پوچھا کہ قیامت کے دن تمھاری شفاعت کون کرے گا؟ ہم نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ آفرین، جزاک اللہ، جب دنیا میں، برزخ میں اور آخرت میں جس نام سے تمہاری خلاصی اور نجات ہوگی، بڑا افسوس ہے کہ اس کو چھوڑ کر تم حنفی بن گئے؟ بندۂ خدا! محمدی بن جاؤ اور کوئی مذہب تم سے پوچھے تو یہی بتاؤ، پس میں اس روز سے اپنے آپ کو محمدی کہنے لگا، لیکن اس لطیف نکتہ کو نہ سمجھا کہ واقعی محمدی کے کہنے سے سوائے ایضاحِ واضح اور اعلامِ معلوم کے کچھ فائدہ نہیں اور نہ سائل کو اس جواب سے تسکین ہوسکتی ہے، بلکہ یہ جواب سؤال کے منافی ہے، اب میں خوب سمجھ گیا کہ حنفی ہرگز محمدی کے منافی نہیں بلکہ حنفی محمدی ہی ہیں (جیسے پنجابی پاکستان کے خلاف نہیں بلکہ پنجابی پاکستانی ہی ہے) بخلاف اس کے کہ محمدی کہنے میں قباحتِ اشتراک فرقِ باطلہ (۷۲ دوزخی فرقوں) سے ہونے کا امتیاز فرقۂ حقہ کا پتہ بھی نہیں لگتا۔ (الفتح المبین ۳۷۱) اس کتاب پر عرب وعجم کے

۴۶۶ علماء کی مہریں ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلد کے لئے لا مذہب کا لفظ عرب وعجم کے علماء کا رجسٹرڈ ہے۔(تجلیاتِ صفدر ۲/ ۵۵)

الحاصل : دوسرا اختلاف دائرۂ اسلام میں سنت اور بدعت کا اختلاف ہے۔ یہاں ایک اہل السنّت والجماعۃ اور سواد اعظم ہے اور باقی ۷۲ فرقے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے سے کٹنے کی وجہ سے فرقہ کہلائے۔

اہل بدعت اور اہل سنت کی پہچان

اہل سنت وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریاتِ اہل سنت کو مانتے ہیں، ان میں سے ایک کا انکار کرنے والا بھی اہلِ سنت سے خارج ہوتا ہے، اور اہلِ بدعت فرقوں میں شامل ہو جاتا ہے۔جس نے تقدیر میں اہلِ سنت کے عقیدے کی غلط تاویل کی تو وہ اہلِ سنت نہ رہا بلکہ اہلِ بدعت اور قدریہ فرقے میں شامل ہو گیا۔ اور جس نے عقیدۂ عذابِ قبر میں غلط تاویل کر دی، وہ اہلِ بدعت اور معتزلہ فرقہ میں شامل ہو گیا۔

تیسرے اختلاف کی تفصیل

یعنی اجتہادی اختلاف، یہ اختلاف اہلِ سنت میں دائر ہے۔اس اختلاف کی وجہ سے نہ فرقے بنتے ہیں اور نہ ہی یہ حق و باطل اور جنت وجہنم کا اختلاف ہے۔یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم میں باوجود اتفاقِ عقائد کے فروع میں اختلاف ہوتا تھا۔کیا اس فروعی اختلاف کی وجہ سے ان کو اہلِ حق سے نکال کر دوزخی فرقوں میں کوئی (بدنصیب) داخل کرسکتا ہے؟

سؤال

مجتہدین مأجور ہوتے ہیں یا مطعون کہ ان کو برا بھلا کہا جائے؟

جواب

مجتہدین حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہر صورت میں مأجور ہیں۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ا يَقُوْلُ : اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ

فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَ اِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ. (بخاری ۱۰۹۲/۲، مسلم ۷۶/۲)

یعنی جب حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح فیصلے پر پہنچ جائے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس سے خطا ہو جائے تو ایک اجر کا مستحق ہے۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ مجتہد معصوم تو نہیں ہوتا کیونکہ اجتہاد میں خطا کا احتمال بھی ہے مگر وہ مطعون بھی نہیں ہوتا کہ اس پر زبانِ طعن دراز کی جائے بلکہ مجتہد کے لئے ہر حال میں اجر و ثواب موجود ہے خواہ دو اجر کا مستحق ہو یا ایک اجر کا۔

قارئین کرام! جس کو اللہ تعالیٰ اجر دے رہا ہے ان پر اعتراض کرنے والا اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ مجتہد کا ذرہ برابر بھی نقصان نہیں۔

جنت کے قافلے

الحاصل: ہر مجتہد جنت کے قافلے کا سردار اور اس کا امیر ہے۔ مسلمانانِ عالم ان کی رہنمائی میں جنت کی طرف رواں دواں ہیں۔

برادرانِ محترم! اس حدیث مبارک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہدین کا اختلاف جنت دوزخ اور ایمان و کفر اور حق و باطل کا اختلاف نہیں کہ ایک مجتہد کے قافلے کو جنت اور حق کا قافلہ کہا جائے اور دوسرے مجتہد کے قافلے کو دوزخ اور باطل کا قافلہ کہا جائے۔ کیونکہ دوزخ اور باطل کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ہرگز اجر نہیں ملتا۔ جبکہ یہاں حدیث مبارک میں ہر صورت میں اجر کا وعدہ ہے۔

سوال

حدیث میں حاکم کا ذکر ہے جس سے حکمران مراد ہیں اگر کسی نے اس سے مجتہد مراد لیا ہو تو ثبوت پیش کیا جائے۔

جواب

حدیث میں حاکم سے مجتہد اور ایسا عالم جو حکم اور استنباط کی اہلیت رکھتا ہو، مراد لینے پر پوری

امتِ مسلمہ کا اجماع ہے اور خود غیر مقلدین نے بھی اس حدیث کو دیکھ کر با دلِ ناخواستہ اجتہادی مسائل کا اقرار کیا ہے۔

(۱) اجماعِ مسلمین

قَالَ الْاِمَامُ النَّوَوِیُّ رحمه الله تعالیٰ : قَالَ الْعُلَمَاءُ :أَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی أَنَّ هٰذَا الْحَدِیْثَ فِیْ حَاکِمٍ عَالِمٍ أَهْلٍ لِّلْحُکْمِ فَإِنْ أَصَابَ فَلَهٗ أَجْرَانِ ، أَجْرٌ بِاجْتِهَادِهٖ وَ أَجْرٌ بِاِصَابَتِهٖ ، وَ اِنْ أَخْطَأَ فَلَهٗ أَجْرٌ بِاجْتِهَادِهٖ ....قَالُوْا : فَأَمَّا مَنْ لَّیْسَ بِأَهْلٍ لِّلْحُکْمِ فَلَا یَحِلُّ لَهُ الْحُکْمُ فَإِنْ حَکَمَ فَلَا أَجْرَ لَهٗ بَلْ هُوَ آثِمٌ لَا یَنْفُذُ حُکْمُهٗ سَوَاءٌ وَّافَقَ الْحَقَّ أَمْ لَا ، لِأَنَّ اِصَابَتَهٗ اِتِّفَاقِیَةٌ لَّیْسَتْ صَادِرَةً عَنْ أَصْلٍ شَرْعِیٍّ ، فَهُوَ عَاصٍ فِیْ جَمِیْعِ أَحْکَامِهٖ سَوَاءٌ وَّافَقَ الصَّوَابَ أَمْ لَا ، وَ هِیَ مَرْدُوْدَةٌ کُلُّهَا وَ لَا یُعْذَرُ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ ذٰلِکَ. (النووی شرح مسلم ۲/۷۶،ط:قدیمی)

یعنی حضرات علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سب مسلمانوں کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ اس حدیث میں حاکم سے مراد ایسا عالم ہے جسمیں حکم، فیصلہ اور استنباط کی اہلیت و صلاحیت ہو، پس اگر یہ صحیح فیصلے تک پہنچ جائے تو اس کے لئے دو اجر ہیں، ایک اجتہاد کی وجہ سے اور ایک صحیح تک پہنچنے کی وجہ سے، اور اگر اس سے خطا ہو جائے تو بھی اس کو اجتہاد کی وجہ سے ایک اجر ملتا ہے.....انہوں نے فرمایا کہ وہ شخص جس میں فیصلے اور استنباط کی اہلیت نہیں اس کے لیے اجتہاد و استنباط جائز نہیں، اگر باوجود نا اہل ہونے کے اس نے اجتہاد کر کے کوئی فیصلہ کیا اور مسئلہ بتایا تو اس کو اجر نہیں ملے گا بلکہ اس کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور اس کا یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا خواہ حق کے موافق ہو یا مخالف، اس لیے کہ اس کا صحیح بات کہنا ایک اتفاقی امر ہے کسی شرعی اصول پر مبنی نہیں لہٰذا یہ نا اہل تمام فیصلوں اور مسئلوں کے بتانے سے گناہ گار ہوگا خواہ وہ حق کے موافق ہو یا نہ ہو، اور اس کے یہ تمام فیصلے مردود ہوں گے اور اس کو کسی بھی بات میں معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

❁ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس نے اگر ایک مسئلہ صحیح بتا دیا ہے تو ۱۰۰ مسئلے غلط بتائے گا،

کیونکہ ہے تو یہ نا اہل۔ اور جس طرح نا اہل ڈاکٹر علاج کرنے سے گناہگار رہوتا ہے اگر چہ اس کے علاج سے کسی کو شفاء بھی ہو جائے ، اسی طرح غیر مجتہد اور نا اہل پر قرآن و حدیث سے مسائل نکالنے پر پابندی ہے، لہٰذا خلاف ورزی کرے گا تو گناہگار رہوگا اور اس کا کوئی عذر نہ سنا جائے گا۔

(۲) غیر مقلد مولانا عبدالعزیز نورستانی کا فیصلہ

مولانا نورستانی صاحب نے بندہ کے ایک خط کے جواب میں صاف اقرار کیا ہے کہ یہ حدیث اجتہادی مسائل سے متعلق ہے، اجتہادی مسائل کا انکار اس حدیث کا انکار ہے۔ جناب نورستانی صاحب کے اپنے الفاظ یہ ہیں :

''حاشا و کلا اہل حدیثوں نے کبھی اجتہادی مسائل سے انکار نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :''اِذَا حَکَمَ الْحَاکِمُ فَاجْتَھَدَ فَأَصَابَ فَلَهٗ أَجْرَانِ وَ اِذَا حَکَمَ فَاجْتَھَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهٗ أَجْرٌ ''

اہلحدیث اس حدیث کے ہوتے ہوئے اجتہادی مسائل سے کب انکار کر سکتے ہیں جبکہ ان کا دعویٰ ہی عمل بالحدیث ہے''۔

تنبیہ

جناب نورستانی صاحب کا یہ ملفوظ اس کے اپنے لیٹر پیڈ پر لکھا ہوا بندہ کے پاس محفوظ ہے۔ یہ خط برادرم قمر الدین (پشاور والے) کے واسطے سے بندہ کو وصول ہوا ہے۔ جو صاحب تصدیق کرنا چاہیں وہ خود بندہ سے مل کر اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

علامہ وحید الزمان غیر مقلد کا فیصلہ

فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امتِ محمدی علی صاحبہا الصلوۃ السلام میں جتنے علماء مجتہدین گزرے ہیں جیسے امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ کوفی، امام اجل احمد بن حنبل، امام داؤد ظاہری، امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام اسحاق بن راہویہ، امام بخاری، امام اشہب، امام سحنون، امام ابن المبارک، امام ابن شبرمہ، امام ابن ابی لیلی، امام وکیع، امام ابویوسف، امام محمد، امام

زفر، امام مزنی، امام طحاوی، امام ابوثور، امام ابن منذر، امام لیث بن سعد، امام ابن تیمیہ، امام ابن جریر طبری، امام شوکانی ان سب لوگوں کے لیے ہر ایک مسئلہ اختلافی میں اجر اور ثواب ہوا ہے گو ان سے خطاء اور غلطی ہوئی ہو اور اس وجہ سے ہر ایک مجتہد اور امام کا احسان ماننا چاہیے کہ انہوں نے خدا کے واسطے دین میں کوشش کی اور ان کی برائی اور بدگوئی سے باز رہنا چاہیے، راضی ہو اللہ ان سب بزرگوں سے آمین یارب العالمین (اردو ترجمہ صحیح مسلم ۴/ ۳۴۷)

الحاصل: اس حدیث میں آپ ﷺ نے ہر مجتہد کو مأجور فرمایا ہے اور اس پر سب کا تقریباً اتفاق ہے کہ اس حدیث میں حاکم سے جاہل اور ان پڑھ حاکم مراد نہیں جیسے فی زمانناحکمران ہیں ، بلکہ حاکم سے مراد وہ شخص ہے جو عالم ہو اور عالم بھی عام نہیں بلکہ ایسا عالم جس میں حکم اور فیصلے کی اہلیت ہو یعنی قرآن واحادیث مبارکہ میں غور وفکر کر کے مسائل نکال سکتا ہو۔

فروعی اور اجتہادی اختلاف کو گمراہی کہنا، گمراہی ہے!

اجتہادی اور فروعی مسائل میں اختلاف احادیثِ مبارکہ، آثارِ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے لہٰذا اس اختلاف کو گمراہی کہنا احادیث وآثار کا انکار اور گمراہی ہے۔

اجتہادی اور فروعی مسائل میں اختلاف کو مذموم سمجھنے کے نقصانات

اجتہادی اور فروعی مسائل میں اختلاف حدیث کی رو سے محمود ہی ہے اس کو مذموم اور حق وباطل اور جنت وجہنم کا اختلاف سمجھنا درج ذیل نقصانات اور باطل نظریات کا پیش خیمہ ہے۔

(۱) افتراقِ امت کا نقصان

جب تک امت اجتہادی اور فروعی اختلاف کو مذموم نہیں سمجھتی تھی تو اختلاف کے باوجود ان میں اتحاد اور محبت تھی، دیکھئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین وتبع تابعین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان درجنوں اور سینکڑوں فروعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف کے باوجود اتحاد اور محبت کا پایا جانا اس کی واضح دلیل ہے کہ وہ حضرات اجتہادی اختلاف کو محمود، اچھا اور موجبِ اجر سمجھتے تھے،

اسے ہرگز ہرگز حق و باطل اور جنت وجہنم کا اختلاف نہیں گردانتے تھے۔

اس کے برخلاف جب سے یہ غالی فرقہ ”غیر مقلدین“ پیدا ہوا ہے، جنہوں نے اس اجتہادی اور فروعی اختلاف کو کفر واسلام، حق و باطل اور جنت ودوزخ کے اختلاف کا درجہ دیا ہے، اس وقت سے اہل اسلام میں افتراق، انتشار اور ایک دوسرے کے خلاف خطرناک فتاویٰ سامنے آرہے ہیں۔ کما لا یخفی.

(۲) ضلالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نظریہ

جب اس اجتہادی اختلاف کو حق و باطل کا اختلاف کہا جائے گا تو اس کا لازم نتیجہ یہ ہوگا کہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین اور ائمۂ مجتہدین رضی اللہ عنہم میں سے بعض حق پر تھے اور بعض باطل پر، بعض جنتی تھے اور بعض (نعوذ باللہ) دوزخی تھے کیونکہ اجتہادی اختلاف ان حضرات میں بھی تھا، اس کی چند مثالیں ذیل میں ملاحظہ ہوں....

”صحابہ وتابعین ومَن بعدہم رضی اللہ عنہم میں اختلاف کی چند مثالیں“

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جہر وسر میں اختلاف

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ (اَیْ تَرْکِ الْجَهْرِ بِالتَّسْمِيَةِ) عِنْدَ اَكْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ مِنْهُمْ اَبُوْ بَكْرٍ وَّ عُثْمَانُ وَعَلِیٌّ وَّ غَيْرُهُمْ وَمَنْ بَعْدَ هُمْ مِنَ التَّابِعِيْنَ رضی اللہ عنہم ۔

یعنی خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم آہستہ بسم اللہ پڑھنے کے قائل تھے جہری نمازوں میں۔

اس کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جہر کا ذکر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

وَ قَدْ قَالَ بِهٰذَا (اَیْ بِالْجَهْرِ بِالتَّسْمِيَةِ) عِدَّةٌ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ مِنْهُمْ أَبُوْهُرَيْرَةَ وَ ابْنُ عُمَرَ وَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَ مَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِيْنَ رَاَوْا الْجَهْرَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ .

یعنی یہ چند صحابہ ابوہریرہ ، ابن عمر، ابن عباس ، ابن زبیر اور ان کے بعد تابعین رضی اللہ عنہم جہری نمازوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بلند آواز سے کہنے کے قائل تھے۔ (جامع الترمذی ۱/ ۵۷)

تنبیہ

راجح قول آہستہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا ہے۔

دلیل

اِجۡمَاعُ أَكۡثَرِ أَهۡلِ الۡعِلۡمِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَ الۡخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيۡنَ رضی اللہ عنہم۔

(۲) سلام کے ایک اور دو ہونے میں اختلاف

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَعَلَيۡهِ (اَیۡ عَلَى التَّسۡلِيۡمَتَيۡنِ) أَكۡثَرُ أَهۡلِ الۡعِلۡمِ مِنۡ أَصۡحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَالتَّابِعِيۡنَ وَ مَنۡ بَعۡدَهُمۡ .

یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم میں سے اکثر اہل علم نماز کے آخر میں دو سلام کے قائل تھے۔

اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سلام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :

وَ رَأٰی قَوۡمٌ مِّنۡ أَصۡحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ التَّابِعِيۡنَ وَغَيۡرِهِمۡ تَسۡلِيۡمَةً وَّاحِدَةً فِي الۡمَكۡتُوۡبَةِ .

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین ومن بعدہم رضی اللہ عنہم میں سے ایک جماعت فرض نماز میں صرف ایک سلام کی قائل ہے (جامع الترمذی ۱/ ٦٦)

تنبیہ

راجح قول دو سلاموں کا ہے۔

دلیل

صحابہ وتابعین ومن بعدہم رضی اللہ عنہم کی اکثریت کا اس پر اجماع ہے۔

(۳) رکوع کے وقت رفع الیدین اور ترکِ رفع میں اختلاف

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وِبِهٰذَا (اَیِ الرَّفْعِ عِنْدَ الرُّکُوْعِ) یَقُوْلُ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ مِنْهُمْ ابْنُ عُمَرَ وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ وَاَبُوْهُرَیْرَةَ وَاَنَسٌ وَّابْنُ عَبَّاسٍ وَّعَبْدُاللّٰهِ بْنُ زُبَیْرٍ وَغَیْرُهُمْ وَمِنَ التَّابِعِیْنَ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ وَعَطَاءٌ وَّطَاؤُسٌ وَّمُجَاهِدٌ وَّنَافِعٌ وَّسَالِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ وَسَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ وَغَیْرُهُمْ وَبِهٖ یَقُوْلُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَکِ وَالشَّافِعِیُّ وَاَحْمَدُ وَاِسْحَاقُ. (جامع ترمذی ۱/ ۵۹)

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابن عمر، جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، انس، ابن عباس اورعبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ اور تابعین میں سے حسن بصری، عطاء، طاؤس، مجاہد، نافع، سالم بن عبداللہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ رکوع کے وقت رفع یدین کے قائل تھے، حضرت عبداللہ بن مبارک، امام شافعی واحمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ ترکِ رفع کی حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں:

وَبِهٖ (اَیْ تَرْکِ الرَّفْعِ عِنْدَ الرُّکُوْعِ) یَقُوْلُ غَیْرُ وَاحِدٍ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّا وَالتَّابِعِیْنَ وَهُوَ قَوْلُ سُفْیَانَ وَ اَهْلِ الْکُوْفَةِ. (جامع ترمذی ۱/ ۵۹)

یعنی اہل علم صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم میں سے جمع غفیر رکوع کے وقت ترکِ رفع کا قائل ہے اور یہی قول حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔

تنبیہ

ترکِ رفع یدین کا مذہب راجح ہے۔

دلیل

اِجْمَاعُ اَکْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ وَ التَّابِعِیْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ.

(۳) ضلالتِ اکابر علماءِ غیر مقلدین

قارئینِ کرام! نام نہاد اہل حدیث نے اجتہادی اختلاف کی بناء پر ائمہ مجتہدین کو امت میں پھوٹ ڈالنے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اب ذرا خود ان کے مابین چند سنگین قسم کے اختلافات کی

مثالیں ملاحظہ فرمائیں اور پھر ان سے پوچھیئے کہ جناب ! آپ کے ان اکابر میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ اور کیا یہ حضرات امت میں پھوٹ ڈالنے کے مجرم نہیں؟ آخر کیا وجہ ہے کہ قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے دعویدار اختلاف کا شکار ہو گئے؟

ے اوروں کی کیا پڑی ہے اپنی نبیڑ تو

''غیر مقلدین میں اختلاف کی مثالیں''

(۱) مردے سنتے ہیں یا نہیں

غیر مقلدین کے شیخ الکل سید نذیر حسین دہلوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری دونوں مردوں کے سماع کے منکر ہیں جبکہ علامہ وحید الزماں (غیر مقلدوں کے مترجم اعظم) اپنے تمام نام نہاد اہل حدیثوں کا مذہب سماع بتا رہے ہیں۔

مولانا ثناء اللہ غیر مقلد فتاوی ثنائیہ ۲/ ۴۵، پر سماع موتی سے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''جواب صورتِ مذکورہ کا یہ ہے کہ مردہ کلام نہیں سنتا اور نہ اس میں لیاقت سننے کی ہے جیسا کہ اس پر قرآن مجید شاہد عدل ہے۔اسی طرح کا جواب فتاوی نذیریہ ج۱/ ۳۹۹، پر بھی ہے''۔

علامہ وحید الزماں غیر مقلد نزل الابرار ۱/ ۴، پر لکھتے ہیں:

''وَلَوْ نَادَى الْأَمْوَاتَ عِنْدَ قُبُوْرِهِمْ يُمْكِنُ أَنْ يَّسْمَعُوْا لِأَنَّ الْأَمْوَاتَ لَهُمْ سَمَاعٌ عِنْدَ أَصْحَابِنَا أَهْلِ الْحَدِيْثِ، صَرَّحَ بِهِ الشَّيْخَانِ''

ترجمہ : اگر مردوں کو ان کی قبروں کے پاس پکارے تو ان کا سننا ممکن ہے کیونکہ ہمارے اصحاب کے ہاں ان کے لئے سماع ثابت ہے۔

(۲) مسلمان مردہ کی ہڈیاں قابلِ احترام ہیں یا نہیں؟

مولانا ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد قبر سے ایک مردے کی ہڈیاں نکال کر اس کی جگہ دوسری میت

دفن کرنے کے قائل ہیں، جبکہ ابوسعید شرف الدین دہلوی غیر مقلد اس کے منکر ہیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری فتاوی ثنائیہ ۲/ ۴۹، پر قبر میں مردہ کی ہڈی سے متعلق ایک سؤال کے جواب میں لکھتے ہیں :''ایسی جگہ دفن کرنا منع نہیں ہڈی نکال کر مردہ دفن کردیں''۔

ابوسعید شرف الدین دہلوی حوالہ بالا پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مسلم مردہ کا احترام لازم ہے، لہٰذا مسلم کی ہڈیوں کو یونہی رہنے دیا جائے اور دوسری قبر بنا کر دوسرے مردے کو دفن کردیں''۔

(۳) امام کو رکوع میں پانے والا، رکعت پانے والا ہے کہ نہیں؟

مفتی عبدالستار صاحب غیر مقلد رکوع میں ملنے والے مقتدی کو رکعت پانے والا شمار کرتے ہیں، جبکہ مولانا ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد اس کو رکعت پانے والا نہیں سمجھتے۔

مفتی عبدالستار صاحب غیر مقلد فتاوی ستاریہ ۱/۵۴، پر لکھتے ہیں :

''ہاں مدرکِ رکوع، مدرکِ رکعت ہے.....فریقِ اول (جو مدرکِ رکعت نہیں مانتے) نے قیام وفاتحہ کو ایسا مضبوط پکڑا ہے کہ وہ ہر حالت میں ان کی فرضیت کے قائل ہوتے ہیں، مدرکِ رکوع کی رکعت کو شمار نہیں کرتے بلکہ جو احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ان کو ضعیف اور کمزور کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ لیکن میں اس امر کا قائل نہیں اور میرا ایمان تو یہ تقاضا نہیں کرتا کہ میں نبی ﷺ کے اقوال کو متضاد قرار دے کر دوسرے کو سرے سے اُڑا ہی دوں، چنانچہ جو احادیث نبی ﷺ سے اس بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں.....''

مولانا ثناء اللہ غیر مقلد فتاوی ثنائیہ ۱/ ۵۳۰، پر لکھتے ہیں :

چونکہ بحکم قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ (القرآن) اور بحکم لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (الحدیث) قراءۃ فاتحہ ضروری ہے اور رکوع کی حالت میں دونوں چیزیں میسر نہیں ہوتیں، قائل کے پاس کوئی آیت یا حدیث ایسی ہو جس سے استثناء جائز ہو سکے تو ہم بخوشی اسے سننے کو تیار ہیں''۔

(۴) ارکان میں کوتاہی کرنے والے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

مولانا ثناء اللہ غیر مقلد ارکان میں کوتاہی کرنے والے امام کے پیچھے نماز کے درست ہونے کے قائل ہیں، جبکہ ابوسعید شرف الدین دہلوی غیر مقلد اس پر شدت سے انکار کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں..

مولانا ثناء اللہ غیر مقلد فتاوی ثنائیہ ۱/۴۳۲، پر ارکان میں کوتاہی کرنے والے امام کے متعلق ایک سؤال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک وقت آئے گا امام نماز کو خراب کریں گے، فرمایا: مسلمانوں میں ملتے رہنا ان کی خرابی ان کی گردن پر ہوگی، تم علیحدہ نہ ہونا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حتی المقدور جماعت کے ساتھ مل کر ہی نماز پڑھنی چاہیے''۔

ابوسعید شرف الدین دہلوی غیر مقلد حوالہ بالا پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نہیں...نہیں، ہرگز ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہیے۔''

(۵) عدت میں عورت کے ساتھ نکاح درست ہے یا نہیں؟

مولانا ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد کے نزدیک معتدہ کے ساتھ نکاح جائز ہے جبکہ مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی غیر مقلد کے ہاں نکاح صحیح نہیں۔

مولانا ثناء اللہ معتدہ بالزنا کے ساتھ نکاح کرنے والے کے متعلق جواب دیتے ہیں: ''صورتِ مرقومہ میں نکاح جائز ہے حمل کے ظاہر ہونے سے یا اس کے اسقاط سے نکاح فسخ نہیں ہوا''

(زادالمعاد)

اسی جواب کے نیچے مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بحکمِ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ الأية یہ عدت کے اندر نکاح کیا گیا جو ہرگز صحیح نہیں پس دوبارہ نکاح کرنا لازم ہے (فتاوی ثنائیہ ۲/۳۳۰)

(۶) بیمار پر بعد صحت روزہ رکھنا واجب ہے یا نہیں؟

مولانا ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد کے نزدیک بیمار اگر فوت ہوگیا تو روزے معاف ہیں اور اگر صحت یاب ہوا تو روزہ کے علاوہ فدیہ بھی دے سکتا ہے جبکہ مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی غیر مقلد کے ہاں موت کی صورت میں بھی بیماری کی وجہ سے چھوڑے گئے روزے معاف نہیں بلکہ میت کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے گا اور تندرست ہونے کی صورت میں فدیہ دینا جائز نہیں بلکہ بہر صورت روزے ہی رکھے گا۔ ملاحظہ فرمائیں :

مولانا ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں :

”اگر لڑکا بیماری ہی میں مر گیا تو روزے معاف ہیں اگر اچھا ہو کر اس نے روزے نہیں رکھے تو فی روزہ ایک مسکین کا کھانا کھلا دیں“

اور اس مسئلہ پر تعاقب کرتے ہوئے مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب رقم طراز ہیں :

”یہ صحیح نہیں ہے۔ بعد صحت روزے ہی رکھنے ہوں گے اور اگر قبل صحت مر جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے“ (فتاوی ثنائیہ ۱/ ۶۵۸)

(۷) رخصتی سے پہلے شوہر فوت ہو جائے تو بیوی کو مہر آدھا ملے گا یا پورا؟

مولانا ثناء اللہ صاحب غیر مقلد کے نزدیک آدھا مہر ملے گا جبکہ مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی غیر مقلد کے نزدیک پورا مہر ملے گا۔ ملاحظہ فرمائیں......

سوال: زید کی شادی ہندہ سے ایک سال کا عرصہ ہوا ہوئی تھی لیکن رخصتی نہ ہوئی، زید کا انتقال ہوگیا آیا ہندہ مہر کی مستحق ہے یا نہیں؟

جواب: (از مولانا ثناء اللہ) ہندہ نصف مہر کی مستحق ہے بحکمِ قرآن مجید فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ

مولانا ابوسعید صاحب جوابِ مذکور پر گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں : یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ اس لئے کہ سؤال میں متوفی عنہا کا ذکر ہے اور جواب میں مطلقہ کا۔ ملاحظہ ہو آیت محولہ بالا وَاِنۡ

طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ الآیة (پ ۲ ع ۱۵)

لہٰذا صورتِ مرقومہ میں پورا مہر ملے گا کما تقدم فی حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ (فتاوی ثنائیہ ۲/۳۳۱)

(۸) عورت ماہواری کے دنوں میں قرآن پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

علامہ وحید الزمان صاحب غیر مقلد کے نزدیک حائضہ کے لئے قرآن پڑھنا جائز نہیں جبکہ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری غیر مقلد فرماتے ہیں کہ حائضہ قرآن کریم پڑھ سکتی ہے۔

علامہ وحید الزماں فرماتے ہیں: ”یَمْنَعُ صَلٰوۃً وَّ صَوْمًا.....وَ قِرَاءَۃَ الْقُرْاٰنِ وَ مَسَّهٗ بِلَا غِلَافٍ (کنز الحقائق ص ۱۵، ھکذا فی عرف الجادی ص ۱۵)

نیز نزل الابرار میں فرماتے ہیں: وَ یَحْرِمُ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ تِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ بِقَصْدِ التَّلَاوَۃِ وَلَوْ دُوْنَ آیَۃٍ وَّ قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا لَا یَحْرِمُ کَذٰلِکَ مَسُّ الْمُصْحَفِ (۱/۲۵)

یعنی حائضہ کے لئے مخصوص ایام میں قرآن کریم کو ہاتھ لگانا اور پڑھنا جائز نہیں۔

اس کے برخلاف مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں: ”حائضہ عورت قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگا سکتی زبان سے پڑھ سکتی ہے (فتاوی ثنائیہ ۱/۵۳۵)

(۹) جراب پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مولانا ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد کے نزدیک جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے جبکہ مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی غیر مقلد، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد اور میاں نذیر حسین غیر مقلد کے ہاں جائز نہیں۔ ملاحظہ فرمائیں....

مولانا ثناء اللہ صاحب غیر مقلد فرماتے ہیں: ”پائتابہ (جراب) پر مسح کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے (ترمذی) شیخ ابن تیمیہ نے فتاوی میں مفصل لکھا ہے“ (فتاوی ثنائیہ ۱/۴۴۱)

مولانا ابوسعید شرف الدین غیر مقلد لکھتے ہیں: ”جرابوں پر مسح کرنے کا مسئلہ معرکۃ الآراء ہے مولانا نے جو لکھا ہے یہ بعض ائمہ امام شافعی وغیرہ کا مسلک ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا بھی یہی مسلک

ہے مگر یہ مسلک صحیح نہیں اس لئے کہ دلیل صحیح نہیں ہے (اس کے بعد مولانا ابوسعید نے مولانا ثناء اللہ صاحب کے جواب پر تفصیلا رد کیا ہے۔ مولانا ابوسعید کے جواب کے بعد جامعِ فتاوی ثنائیہ نے مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کا جواب نقل کیا ہے جو اسی مسئلے میں انہوں نے دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں)

اَلْجَوَابُ : اَلْمَسْحُ عَلٰی الْجَوْرَبَةِ لَیْسَ بِجَائِزٍ لِّاَنَّہٗ لَمْ یَقُمْ عَلٰی جَوَازِہٖ دَلِیْلٌ صَحِیْحٌ وَّ کُلُّ مَا تَمَسَّکَ بِہٖ الْمُجَوِّزُوْنَ فَفِیْہٖ خَدْشَۃٌ ظَاھِرَۃٌ اِلٰی آخِرِہٖ. کَتَبَہٗ عَبْدُالرَّحْمٰنِ الْمُبَارَکْفُوْرِیُّ عَفَا اللّٰہ عَنْہُ

(دستخط) سید محمد نذیر حسین ....(فتاوی ثنائیہ ۱/۴۴۳)

یعنی جراب پر مسح کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کی دلیل صحیح نہیں ہے اور جائز کہنے والوں کی تمام دلیلوں میں واضح غلطی موجود ہے۔

(۱۰) جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

مولانا ثناء اللہ صاحب غیر مقلد کے نزدیک جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل وغیرہ پڑھنا جائز ہے جبکہ مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی غیر مقلد کے ہاں جائز نہیں۔

مولانا ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں: ”مگر زوال کے وقت جمعہ کے روز نفل وغیرہ پڑھنا جائز ہے۔

اور مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی صاحب جوابِ مذکور پر باحوالہ رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

...پس ثابت ہوا کہ زوال کے وقت نماز پڑھنی منع ہے، خواہ یوم جمعہ ہو یا کوئی اور یوم۔ اس لئے کہ منع کی حدیثیں صحیح ہیں اور جواز کی صحیح نہیں۔ صحیح کے مقابل غیر صحیح پر عمل باطل ہے۔ (فتاوی ثنائیہ ۱/۵۴۴)

(۴) صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدظنی و بدگمانی کا نقصان

جب عوام کو یہ بتایا جائے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے دین کو چار ٹکڑے کر دیا ہے۔ حق کے چار حصے نہیں ہوتے ضرور ان میں ایک حق ہوگا اور باقی سب باطل، لہٰذا انکی تقلید چھوڑ یئے، تاکہ دین ٹکڑے ٹکڑے نہ رہے۔

اس ذہنیت کے ملنے کے بعد جب ان کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہادی اختلاف کا پتہ چلے گا تو وہ سوچے گا کہ ائمہ اربعہ تو ان کے دور میں نہیں تھے پھر بھی انہوں نے سینکڑوں مسائل میں اختلاف کیا ہے، معلوم ہوا کہ جن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہم عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے بھی دین کے ٹکڑے کر دیے ہیں اور مختلف فرقوں میں بٹے ہیں، جس طرح ائمہ اربعہ میں بعض حق پر اور بعض باطل پر ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ایسے ہونگے کہ بعض حق پر ہوں گے اور بعض باطل پر (العیاذ باللہ)

الحاصل: اس ذہنیت کے بعد ضرور بالضرور ایک دن آئے گا جب یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدظن ہو جائے گا۔

حضرت مولانا لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے ایک غیر مقلد کو سنا وہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں ناشائستہ الفاظ کہہ رہا تھا۔

(۵) انکارِ حدیث کی نوبت

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدظنی پیدا ہو گئی تو اب اس کے لئے انکارِ حدیث کا راستہ ہموار ہو گیا۔ کیونکہ حدیث کے سب سے پہلے اور سب سے مضبوط اور ثقہ راوی صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، جب وہ اجتہادی اختلاف کی وجہ سے (نعوذ باللہ من ذلک) مذموم باطل پرست اور دین کو ٹکڑے کرنے والے بن کر قابلِ اعتبار نہ رہے تو حدیث آگے کیسے چلے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دن احادیث کو بھی چھوڑ کر منکرِ حدیث بن جائے گا جس کے کفر اور گمراہی میں شک وشبہ نہیں۔

نیز جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے آزاد ہو کر قرآن و حدیث کو براہ راست سمجھے گا تو ناسخ و منسوخ اور اُن احادیث میں (جن میں بظاہر اختلاف اور تضاد معلوم ہوتا ہے) تطبیق و ترجیح کے اصول وضوابط نہ جاننے کی وجہ سے بھی یہ حیران و پریشان ہوگا تو نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

بعض احباب نے بتایا ہے کہ ہم نے کتنے غیر مقلدین کو یہ کہتے ہوئے دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے متضاد اور مختلف باتیں کر کے ہم کو انتشار میں مبتلا کیا ہے اور اختلاف اور فساد کا بڑا سبب خود آپ ﷺ کا مختلف اور متضاد باتیں کرنا ہے۔ نیز ان احباب نے بتایا کہ آپ خود آ کر ان سے ملیں، آج وہ غیر مقلدیت سے منکرِ حدیث بن چکے ہیں۔

(۶) آیاتِ قرآنیہ میں معنوی تحریف کرنا

اجتہادی اور فروعی اختلاف کو ہوا دے کر کفر و اسلام اور حق و باطل کا اختلاف بنانے کا ایک بہت بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ یہ لوگ آیاتِ قرآنیہ میں معنوی تحریف کرنے لگ جاتے ہیں، کیونکہ اس منگھڑت نظریہ کی نہ تو قرآن کریم تائید کرتا ہے اور نہ ہی آپ ﷺ نے کبھی اس غلط نظریہ کی حمایت فرمائی ہے، بلکہ قرآن کریم نے تو "وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ اِلَيَّ" وغیرہا آیات کے ذریعے اس مسئلے کو کھول کر بیان کیا ہے کہ بڑوں کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جو ہدایت یافتہ ہیں ان کی پیروی اور اتباع کا حکم ہے۔

(۲) جو گمراہ ہیں جن کی پیروی اور اتباع کو ممنوع قرار دیا ہے۔

مقلدین جن بڑوں کی پیروی اور تقلید کرتے ہیں ان کا ہدایت یافتہ ہونا اور ماہر قرآن و حدیث کی رہنمائی میں ہونا دلیل شرعی (اجماع) سے ثابت ہے نیز خود غیر مقلدین کے بیشمار حوالے پیش کئے جا سکتے ہیں، جنہوں نے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرمائی ہے لہٰذا بحکم قرآن و حدیث یہ ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ حق اور جنت کے راستے کے قافلوں کے سردار اور امیر ہیں ان میں سے کسی ایک کی رہنمائی میں جو بھی قرآن و حدیث پر چلے گا جنت پہنچ جائے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اجتہادی اور فروعی اختلاف کو کفر اور اسلام کا اختلاف بتانے والے غیر مقلدین کے لئے قرآن و حدیث کا فیصلہ تسلیم کرنا زہرِ قاتل سے کم نہیں، کیونکہ اس فیصلے سے غیر مقلدیت کی جڑیں کٹ جانا ظاہر ہے اس لئے انہوں نے اپنے اس غلط نظریہ کو تحفظ فراہم کرنے کی خاطر قرآن کریم کی کئی

آیتوں میں تحریف معنوی کرڈالی، وہ تمام آیات جن میں مشرکین کو گمراہ آباء واجداد، سردارانِ قوم، علماء سوء اور پیٹ پرست پیروں کی پیروی اور اتباع پر وعیدیں سنائی گئی ہیں، یہ لوگ یہ تمام آیتیں آج ہدایت یافتہ ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کی پیروی کرنے والے مقلدین کے خلاف پڑھ کر کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ یہ ائمہ، مشرکین کے آباء واجداد کی طرح گمراہ تھے اور ان کی تقلید کرنے والے مشرکین کی طرح گمراہ ہیں۔ حالانکہ ان آیات کو ان کے خلاف پڑھنا صریح تحریف ہے، کیونکہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک جتنے متفق علیہم مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ گزرے ہیں کسی ایک نے بھی ان کا مصداق ہدایت یافتہ اکابر اور ان کے متبعین کو نہیں بتایا، ورنہ صرف ایک حوالہ پیش کریں اور منہ مانگا انعام وصول کریں۔

بطور نمونہ کچھ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں یہ لوگ ببانگ دہل تحریف کرتے ہیں۔

آیات

(۱) اِتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُوْنِهٖ أَوْلِيَاءَ ط قَلِيْلاً مَا تَذَكَّرُوْنَ (الأعراف: ۳)

”لوگو! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو۔“

غیر مقلد اس آیت کو ہمارے خلاف پڑھ کر ”لوگوں“ سے مقلدین اور ” من دونه اولياء“ سے مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ مراد لیتے ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ” من دونه اولياء “ سے مراد شیاطین الانس والجن ہیں۔ (تفسیرِ نسفی ۲/۴۴)

قارئینِ کرام! ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ شیاطین الانس والجن میں داخل نہیں اور یقیناً داخل نہیں تو پھر یہ غیر مقلدین کی تحریف ہے۔

(۲) أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (الأنفال: ۴۶)

”اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تم کمزور

ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

غیر مقلدین ''ولاتنازعوا'' آپس میں اختلاف نہ کرو، سے اجتہادی اختلاف مراد لیتے ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ایک مفسر سے بھی یہ بات منقول نہیں۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس اختلاف سے وہ مراد ہے جس سے بزدلی پیدا ہو کر دشمن پر رعب نہیں رہتا اور جس سے مسلمانوں کی سلطنت ختم ہو جاتی ہے، یعنی امور جنگ اور اس سے متعلق احکام میں قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق اپنے امیر کی بات مانو، اختلاف نہ کرو، ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی یعنی تمہاری سلطنت ختم ہو جائے گی۔ (تفسیر نسفی ۲/۱۰۶)

قارئینِ کرام! بنو قریظہ پر حملہ کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو جماعت تشکیل دی گئی تھی، جن سے فرمایا گیا تھا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں پڑھنا، اس جماعت میں راستے ہی میں اجتہادی اختلاف پیدا ہوا۔ جب نماز کا وقت راستے میں آیا تو بعض نے راستے ہی میں نماز پڑھی اور بعض نے ظاہر الفاظ کو دیکھ کر نہیں پڑھی۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اُن کو ڈانٹا اور نہ ہی یہ فرمایا کہ تمہارے اس اختلاف کی وجہ سے تمہاری سلطنت ختم ہو جائے گی، تمہارا رعب دشمنوں پر نہیں رہے گا۔

الحاصل: یہ بھی غیر مقلدین کی کھلی تحریف ہے۔

(۳) وَ لَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَ كَانُوا شِيَعًا ط كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ. (الروم: ۳۱، ۳۲)

''اور نہ ہو جاؤ مشرکین میں سے جنہوں نے اپنا اپنا دین الگ بنا لیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ہر ایک گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں وہ مگن ہے۔''

غیر مقلدین اس آیت کو بھی اجتہادی اختلاف کے خلاف پڑھ کر مجتہدین صحابہ وتابعین ومن بعدہم رضی اللہ عنہم اور ان کے مقلدین کو مشرک اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے تفرقہ باز قرار دیتے ہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی ایک مفسر نے بھی اس کا مصداق اجتہادی اختلاف نہیں بتایا بلکہ

یہ اختلاف فی الدین کے قبیل سے ہے جن کا مذموم ہونا سب کے ہاں مسلّم ہے۔

قارئینِ کرام! یہ وہ بات ہے جس پر ہم تنبیہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ اجتہادی اختلاف کو پہلے اور دوسرے درجے کے اختلاف کا درجہ دے کر اس کو حق و باطل، کفر و اسلام، اور تفرقہ کا اختلاف بنا کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔

اظہارِ حق و تنقید برائے اصلاح یا فتنہ و انتشار پھیلانا

جناب محمد صدیق رضا اور ابو جابر دامانوی نے فتنہ بھڑکانے اور مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کا نام ''اظہارِ حق'' اور ''تنقید برائے اصلاح'' رکھ کر اس کو آپ ﷺ کا حکم قرار دیا ہے۔ حالانکہ حکم کا مدار حقیقت پر ہوتا ہے نہ کہ نام پر، ''گدھے'' کا نام اگر کوئی ''بکرا'' رکھ دے تو کیا حلال ہو جائے گا؟ نہیں! کیونکہ نام سے حقیقت نہیں بدلتی، ہاں سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا فتنہ کا نام اظہارِ حق رکھنے سے بھی یہ فتنہ نہ تو جائز ہوگا اور نہ ہی حکم شرعی بنے گا۔

آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: **لولا حدثان قومک بالکفر لنقضت الکعبة** (بحوالہ حجۃ اللہ البالغۃ ۲/ ۲۵)

یعنی اگر آپ کی قوم ابھی ابھی تازہ کفر سے اسلام میں نہ آ چکی ہوتی تو میں خانہ کعبہ کو گراتا اور دوبارہ حضرت ابرہیم علیہ السلام کی قائم کردہ بنیادوں پر تعمیر کراتا۔

آپ ﷺ نے اس موقع پر یقینی حق کو کیوں چھوڑا؟ فتنے کے اندیشے کی وجہ سے تبدیلی نہیں فرمائی۔ اظہارِ حق کے مواقع الگ ہیں اور فتنہ برپا کرنے کے الگ۔ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں مندرجہ بالا حدیث کی تعلیم پر عمل ضروری ہے اور جہاں فتنہ کا خدشہ نہ ہو اور کسی وجہ سے اظہار ضروری ہو جائے مثلاً کسی نے سوال کیا، تو اس کو جواب دیتے وقت تمہاری نقل کردہ حدیث'' **وعلى أن نقول بالحق أينما كنا لا نخاف في الله لومة لائم** '' کی تعلیم پر عمل ہوگا۔

چونکہ اس ٹولے کا مقصد ہی عمل بالحدیث نہیں اس وجہ سے اظہارِ حق کے موقع پر کبھی بھی اپنی نقل

کردہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے حق نہیں کہیں گے۔ قارئین کرام کو یقین دہانی کرانے کے لئے ذیل میں ان لوگوں سے چند سؤالات کیے جاتے ہیں تا کہ ان کے اظہار حق کی قلعی سب کے سامنے کھل جائے۔ مر جائیں گے، قیامت آجائے گی، لیکن یہ ان سؤالات کے جواب میں ہرگز ہرگز اظہار حق نہ کریں گے۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے ❊ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

سوال نمبر ۱ : منی پاک ہے اور ایک قول کے مطابق حلال بھی ہے (ترجمہ صحیح مسلم شریف ۱/۴۱۴) جناب صدیق رضا اور ابو جابر دامانوی دونوں قرآن کریم کی وہ آیت اور نبی کریم ﷺ کی وہ حدیث بتائیں جس میں صراحتاً یہ بتایا گیا ہو کہ منی پاک ہے جیسے پانی پاک ہے اور اس کا کھانا ایسے ہی حلال ہے جیسے ملائی، یا اس قول کے قائلین کے مصنف کے بارے میں اعلان کردیں کہ وہ نام نہاد اہل حدیث تھے نہ کہ اصلی۔ اور اپنا نام اہل حدیث رکھا اور مسائل حدیث کے خلاف بتاتے گئے۔

سوال نمبر ۲ : آب باران وچاہ طاہر ومطہر است پلید نہ میگردد مگر بنجاستے کہ بو یا مزہ یا رنگ او را بر گرداند (عرف الجادی صفحہ ۹) ایک غیر مقلد صاحب دودھ کا کاروبار کرتے ہیں، دودھ نکالتے وقت بھینس نے دودھ کی بالٹی میں پیشاب کردیا، پھر اس صاحب کو خود پیشاب آیا، ادھر ادھر جانے اور وقت ضائع ہونے سے بچانے کی خاطر اس نے بھی اسی بالٹی میں پیشاب کیا، لیکن ان دونوں کے پیشاب کی وجہ سے دودھ کے رنگ وغیرہ میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ دودھ پاک ہے یا نہیں؟ اور اس کا پینا حلال ہے یا نہیں؟ غیر مقلد صاحب کے فتوی کے مطابق پاک اور حلال ہے۔

جناب دامانوی اور رضا صاحبان سے آیت اور حدیث کا مطالبہ ہے، ورنہ اعلان کیجئے کہ یہ بھی نام نہاد اہل حدیث ہیں نہ کہ اصلی، اور قرآن وحدیث کے خلاف لکھ کر کتاب تصنیف کی ہے۔

سوال نمبر۳ : وایں نص است بر حلتِ ذبیحہ کافر وعدم اشتراط اسلام در ذابح خواذمی باشد یا غیر او....الخ اور یہ دلیل اس پر صراحتہً دلالت کرتی ہے کہ کافر کا ذبیحہ حلال ہے اور ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا شرط نہیں، پھر کافر خواہ ذمی ہو یا غیر ذمی دونوں کا حکم ایک ہے الخ ''عرف الجادی ۲۳۹'' اس مسئلہ پر عمل کرتے ہوئے ایک غیر مقلد ہمیشہ کافر کا ذبیحہ کھاتا ہے پوچھنا یہ ہے کہ اس کتاب کی اندھی تقلید جو اس غیر مقلد نے کی، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور کافر کا ذبیحہ حلال ہے یا مردار؟ آیت وحدیث بتائیے ورنہ نام نہاد اہل حدیث کا فتوی لگائیے۔

سوال نمبر۴ : خنزیر اور کتے کے جھوٹے میں دو قول ہیں ایک قول میں پاک ہے

بول ما یؤکل لحمہ طاھر و کذا سورہ و جمیع الآسار غیر سور الکلب و الخنزیر ففیہ قولان و کذا فی ریق الکلب و العرق کالسور (کنز الحقائق ۱۳)

دونوں ساتھی مل کر خنزیر کے جھوٹے کے پاک ہونے کی آیت اور حدیث دکھائیں ورنہ اس کے مصنف پر بھی نام نہاد اہل حدیث کا فتوی لگائیے۔

سوال نمبر۵ : قال غیر المقلدو کذا اذا اولج فی فرج البھیمہ الخ کسی نے چوپائے کے ساتھ جماع کیا تو غسل واجب نہیں (نزل الابرار من فقہ النبی المختار ۱/۲۳)

جناب! آیت اور حدیث سے یہ مسئلہ دکھائیں ورنہ اس پر بھی نام نہاد اہل حدیث کا فتوی لگائیے۔

سوال نمبر۶: قال العلامۃ وحید الزمان غیر مقلد : یبطل النکاح .....نکاح المتعۃ والموقت و خالف بعض التابعین و کذلک بعض أصحابنا فی نکاح المتعۃ فجوزوھا ....الخ (نزل الابرار ۲/۳۳ تا ۳۵)

ترجمہ: نکاح متعہ باطل ہے اور بعض تابعین نے اختلاف کیا ہے اور اسی طرح ہمارے بعض غیر مقلدین نے بھی، پس انہوں نے نکاح متعہ کو جائز قرار دیا ہے۔

جناب ابو جابر دامانوی اور صدیق رضا! اس شیعوں والے کام کی آیت اور حدیث دکھائیں یا ان بعض غیر مقلدین کو بھی نقلی اہل حدیث کہیے۔

سوال نمبر ۷ : مثلاً ایک ضدی غیر مقلد دوست روزانہ بھینس کے پیشاب سے نہا کر نماز پڑھتا ہے اور بطور دواء ایک گلاس پیتا ہے اور ایک چھٹا نک گوبر کھاتا ہے، منع کرنے پر بتاتا ہے کہ ''فتاوی ستاریہ'' میں پاک اور بطور دواء حلال لکھا ہے، اور ان کتابوں میں ہمارے اہل حدیث مولویوں نے سارے مسائل قرآن وحدیث کے لکھے ہیں۔ لہٰذا میرا یہ کھانا، پینا اور نہانا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور آپ کا منع کرنا غلط ہے۔

جناب ابو جابر دامانوی اور صدیق صاحب! اس پیشاب نوش و گوبر خور کا یہ معمول اور عادت جس آیت اور حدیث سے ثابت ہے وہ دکھائیں، نیز گوبر کھانے کی حدیث ضرور دکھائیں ورنہ مصنف کے خلاف فتوی دیجیے۔

بطور نمونہ یہ چند سوٴالات ذکر کر دیئے ہیں تا کہ ان کا حدیث پر عمل کرنا اور اظہار حق معلوم ہو جائے۔ قیامت آجائے گی، سارے نام نہاد اور نقلی اہل حدیث مر جائیں گے، مگر اس موقع پر اظہار حق کی توفیق نہ ہو گی۔ دیدہ باید

اجوبہ

جن لوگوں نے تقلید ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر قرآن کریم اور احادیث مبارکہ پر عمل کے بہانے، آزادی اور آوارگی اختیار کی ہے، ان میں کوئی ایک عالم ایسا بتا دیا جائے جس نے اپنی کتابوں میں جو کچھ مسائل لکھے ہیں وہ صرف قرآن وحدیث ہی کے مسائل ہیں، یا وہ جو بھی مسئلہ بتاتا ہے وہ قرآن وحدیث ہی کا مسئلہ بتاتا ہے۔ اگر ابو جابر دامانوی اور صدیق صاحب کی نظر میں کوئی ایسی کتاب یا شخصیت ہے تو بتا دیں۔ جناب کا احسان ہو گا۔ اور اگر کوئی ایسا عالم زندہ ہیں تو ہم خود جا کر ان سے پوچھنے کے لئے تیار ہیں۔

جناب ابو جابر دامانوی اور صدیق رضا صاحب کا اگر خود دعوی ہو یا ان کے متعلق کسی اور کا یہ دعوی ہو کہ یہ دونوں حضرات ہر مسئلہ قرآن کریم کی صریح آیت اور صحیح، صریح اور غیر معارض حدیث

سے بتاتے ہیں، تو سر دست تحریراً صرف تین مسئلے ان سے پوچھے جاتے ہیں، اور زبانی پوچھنے کے لئے ان کی مسجد میں جانے کو تیار ہیں۔ ہم تو ایک عرصے سے ایسے غیر مقلد مولوی کی تلاش میں ہیں جو قرآن وحدیث کے مسائل جانتا اور بتاتا ہو، لیکن آج تک کوئی نہیں ملا، شاید شیخ ابو جابر دامانوی ہماری اس تشنگی کو دور فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱ : فاتحہ کی جگہ پورا یا کچھ تشہد پڑھ کر یاد آنے پر فاتحہ پڑھی یا تشہد کی جگہ پوری یا کچھ فاتحہ پڑھ کر یاد آنے پر تشہد پڑھا، تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟ نماز صحیح ہے یا فاسد یا مکروہ؟ پوری اور کچھ پڑھنے کے حکم میں، نیز بھول اور قصد کے حکم میں اگر کوئی فرق ہے تو اسے بھی واضح کیجئے۔

مسئلہ نمبر ۲ : ایک شخص رکوع سے کھڑے ہوتے وقت بھی رفع الیدین کرتا ہے اور قومہ سے سجدہ کی طرف جاتے وقت جب تکبیر کہتا ہے تو اس وقت بھی، اور دو سجدوں کے درمیان بھی، اور کہتا ہے کہ میں مجمع الزوائد اور متأخر الاسلام صحابی مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیثوں پر عمل کرتا ہوں، اور یہ بھی کہتا ہے کہ جو اس ناسخ حدیث اور قومہ سے سجدہ کی طرف جاتے وقت تکبیر کے ساتھ رفع کی غیر معارض حدیث پر عمل نہیں کرتا، اس کی نماز خلاف سنت اور ناقص ہے۔

جناب اس شخص کا یہ عمل اور قول ودلیل درست ہے یا غلط؟ آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ ناسخہ غیر منسوخہ سے اس کی غلطی ثابت کرنا ضروری ہے۔

سوال نمبر ۳ : سہواً یا قصداً آمین بلند آواز سے نہ کہنے والے کی نماز کا کیا حکم ہے؟ سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟ نیز سریہ اور جہریہ میں اور جہریہ کی پہلی دو اور آخری رکعتوں میں جو سر اور جہر کا فرق ہے، یہ کس آیت اور حدیث کی بنا پر ہے؟ جماعت اور انفراد کا فرق کس آیت اور حدیث میں آیا ہے؟ عورت آہستہ اور مرد بلند آواز سے کہے، یہ تصریح کس آیت اور حدیث میں ہے؟

قارئین کرام ! جس فرقہ اور ٹولے کے مولوی قرآن وحدیث کا نام لے کر مسئلہ ان کے خلاف بتاتے ہوں، اس ٹولے کی عوام کا کیا حال ہوگا؟

کیا انتشار کا سبب فقہ ہے؟

نہیں ! یہ کہنا ابو جابر دامانوی صاحب کی نری کذب بیانی اور بغض کا نتیجہ ہے ۔ ورنہ ان لامذہبوں میں اختلاف نہ ہوتا۔ جبکہ بے شمار مسائل میں ان کے درمیان شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں ....حافظ علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

’’ آپ (حاجی اللہ دتہ صاحب) رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے تھے اور اسی کے قائل تھے اس مسئلہ میں آپ کا اور شیخنا ابو القاسم محبّ اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک ہی موقف تھا‘‘ (ماھنامہ الحدیث حضرو ۱/۴۱)

(۱) قومہ میں ہاتھ باندھنا سنت یا نہ باندھنا سنت؟ علامہ محبّ اللہ الراشدی اور بدیع الزمان الراشدی کے ٹولوں میں اختلاف ہے۔

(۲) رفع الیدین فرض یا سنت؟ ترک سے نماز فاسد ہوگی یا صرف خلاف افضل یا خلاف سنت ہوگی؟ اس میں ان کا شدید اختلاف ہے۔

(۳) جوتے پہن کر نماز سنت اور ضروری ہے یا اتار کر؟ سنا ہے ڈالمیا میں دو جماعتیں ہوتی ہیں، ایک بغیر جوتوں کے اور ایک جوتوں سمیت ۔ اور لانڈھی کراچی میں ایک مسجد کا نام ہی جوتوں والی مسجد رکھا گیا ہے۔

(۴) رمضان کے آخری عشرہ میں وتر تالا ہے یا نہیں؟ کراچی اور پنجاب کے فتوے مختلف ہیں۔

(۵) مجلس واحد کی تین طلاقیں تین ہیں یا ایک؟ اس میں ان کا شدید اختلاف ہے۔

(۶) نماز جنازہ میں بلند آواز سے قراءۃ سنت یا خلاف سنت؟ علامہ محبّ اللہ الراشدی خلاف سنت فرماتے ہیں جبکہ ان کے چھوٹے بھائی بدیع الزمان اور ان کی جماعت سنیت کے قائل ہیں۔

معترض مفسد کے اعتراض کا حاصل دو باتیں ہیں

(۱) فقہ حنفی میں اصل مسئلہ تداوی بالمحرم کے جواز کا ہے۔

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ اور بنوری ٹاؤن کے مفتیان کرام زید مجدہم نے دجل، فریب اور جھوٹ سے کام لیا ہے۔

نمبر(۱) کا جواب

حنفیہ کا ظاہر مذہب عدم جواز کا ہی ہے جیسے ان مفتیان کرام زید مجدہم نے فرمایا ہے۔

علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اختلف فی التداوی بالمحرم و ظاہر المذہب المنع (الشامیة ۱/ ۲۱۰)

''حرام چیزوں سے علاج کرنے میں اختلاف ہے اور ظاہر مذہب عدم جواز ہی کا ہے''۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

ولا یخفی أن التداوی بالمحرم لا یجوز فی ظاہر المذہب

(البحر الرائق ۳/ ۳۸۹)

''یہ پوشیدہ نہ رہے کہ حرام چیزوں سے علاج کرنا ظاہر مذہب میں جائز نہیں''۔

مشائخ کے اختلاف کی وجہ

ان حضرات کے اختلاف کی وجہ ''یقین شفاء'' کے مصداق میں اختلاف ہے۔ جن حضرات نے اس کا مصداق غلبہ ظن کو قرار دیا ہے انہوں نے اطباء کے کہنے اور تجربہ کی بنیاد پر جواز کا فتویٰ دیا اور جن حضرات نے اس کا مصداق حقیقتِ یقین ٹھہرایا ہے انہوں نے حرام کا فتویٰ دیا ہے :

قال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ : قال فی فتح القدیر : و أہل الطب یثبتون للبن البنت أی الذی نزل بسبب بنت مرضعة نفعا لوجع العین . و اختلف المشایخ فیہ قیل لا یجوز و قیل یجوز اذا علم أنہ یزول بہ الرمد ولا یخفی أن حقیقة العلم متعذر فالمراد اذا غلب علی الظن و الا فہو معنی المنع ولا یخفی أن التداوی بالمحرم لا یجوز فی ظاہر المذہب أصلہ بول ما یؤکل لحمہ فانہ لا یشرب أصلا (البحر الرائق ۳/ ۳۸۹ ، کتاب الرضاعة ،المکتبة الرشیدیة ، کوئٹہ)

فرماتے ہیں ”فتح القدیر میں ہے کہ اہل طب حضرات بیٹی کی پیدائش کے بعد اترنے والے دودھ کو آنکھ کے درد میں مفید قرار دیتے ہیں۔ اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے، بعض عدم جواز اور بعض جواز کے قائل ہیں بشرطیکہ تکلیف کے ختم ہونے کا ظن غالب ہو اور یہ بات مخفی نہیں کہ حقیقت علم کا ادراک مشکل ہے لہٰذا اگر اس سے شفاء کا ظن غالب ہو تو جائز ورنہ ممنوع، اگر ظن غالب مراد نہ ہو بلکہ حقیقت یقین مراد ہو تو پھر جائز نہیں اور یہی منع کرنے والے بھی فرماتے ہیں اور یہ بھی مخفی نہیں کہ ظاہر مذہب کے مطابق تداوی بالمحرم جائز نہیں اصل اختلاف جو بیان ہوا ہے وہ ان جانوروں کے پیشاب کے بارے میں ہے جن کا گوشت کھایا جاتا ہے پس اس کو بالکل نہیں پیا جائے گا، ”یعنی نہ تو علاج کی غرض سے نہ ہی کسی اور غرض سے“۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ : (ولا يشرب) بوله (أصلا) لا للتداوی و لا لغيره عند أبی حنيفة .

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ : (قوله عند أبی حنيفة) و أما عند أبی يوسف فانه و ان وافقه علی أنه نجس لحديث ”استنزهوا من البول “ الا أنه أجاز شربه للتداوی لحديث العرنيين . و عند محمد يجوز مطلقا . و أجاب الامام عن حديث العرنيين بأنه عليه الصلوة و السلام عرف شفاء هم به وحيا و لم يتيقن شفاء غيرهم . لأن المرجع فيه الأطباء وقولهم ليس بحجة ، حتی لو تعين الحرام مدفعا للهلاک يحل كالميتة و الخمر عند الضرورة و تمامه فی البحر . (الشامية ۱/ ۲۱۰، ایچ ایم سعید)

علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :”اور اس کا (حلال جانوروں کا) پیشاب مطلقاً نہیں پیا جائے گا نہ علاج معالجہ کے لئے اور نہ کسی دوسری غرض کے لئے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے“

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ جو انہوں نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز نہیں ، تو بہر حال امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ حلال جانوروں کے پیشاب کے نجس ہونے میں اگر چہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی موافقت فرماتے ہیں

’’استنزھوا من البول ‘‘یعنی پیشاب سے بچو، والی حدیث کی وجہ سے مگر وہ بغرض علاج پینے کی اجازت دیتے ہیں حدیثِ عرنیین کی بناء پر۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ مطلقا جواز کے قائل ہیں ’’یعنی علاج معالجہ وغیرہ سب میں کیونکہ ان کے نزدیک بول ما یؤکل لحمہ پاک ہے‘‘۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث عرنیین کے جواب میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تو ان لوگوں کی یقینی شفاء، اس پیشاب میں بذریعہ وحی معلوم ہوگئی تھی اور ان کے علاوہ کسی اور کی شفاء کا یقینی علم نہیں۔ کیونکہ اس علاج معالجہ کے سلسلے میں مرجع اطباء حضرات ہیں اور شرعا ان کا قول حجت نہیں، (کیونکہ ان کے قول سے یقین حاصل نہیں ہوتا) البتہ اگر یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ فلاں حرام چیز کے استعمال میں شفاء ہے اور ہلاکت سے بچاؤ ہے تو اس صورت میں استعمال جائز ہے، جیسے مردار اور شراب (بھوک و پیاس کی) ضرورت کیوقت حلال اور جائز ہے۔

ہمارے حضرات حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدہم اور جامعہ بنوری ٹاون کے مفتیان کرام زید مجدہم نے جو اصل مذہب کو سامنے رکھتے ہوئے عدم جواز کو راجح فرمایا ہے، بالکل درست فرمایا ہے ذیل میں بعض فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتیں ذکر کی جاتی ہیں تا کہ ہمارے اکابر زید مجدہم کے ارشاد کی مزید توثیق ہو۔

قال العلامة العینی رحمه الله تعالیٰ : قوله (م) و تأویل ما روی أنه علیه السلام عرف شفاء هم فیه وحیا (ش) ..... ای أن النبی ا عرف شفاء هم ای شفاء العرنیین فیه ای فی بول الابل وحیا ای من حیث الوحی وهو نصب علی التمییز فأذا کان من حیث الحکم یکون حکما و لا یوجد مثله فی زماننا فلا یحل شربه لأنه لایتیقن بالشفاء فیه فلا یعرض من الحرمة .(البنایة ۱ /۲۴۷)

یعنی آپ ﷺ کو بذریعہ وحی یہ بتادیا گیا تھا کہ ان (عرنیین) کی شفاء انہی اونٹوں کے پیشاب ہی میں ہے سو جب آپ ﷺ کا یہ ارشاد بطور حکم تھا تو اب اس کی تعمیل ان پر واجب ہوئی، اور اب ایسا ہمارے زمانے میں ممکن نہ رہا کہ شفاء کا یقین حاصل ہو جائے، لہٰذا اب اس کی حرمت ہمیشہ رہے گی

وقال رحمه الله تعالیٰ ایضا : قوله (م) لا يتيقن بالشفاء فيه (ش) اى فى شربه للتداوى (م) فلا يعرض عن الحرمة (ش) اى فأذا كان كذلك فلا تعرض عن كون شربه حراما الا بتيقن الشفاء فلا يوجد والمرجع الى ذلك بقول الاطباء وقولهم ليس بحجة قطعية فيجوز أن يكون شفاء لقوم دون قوم لاختلاف الامزجة

(البناية ۱/۲۴۸)

یعنی علاج معالجہ کی غرض سے پیشاب پینے میں شفاء یقینی نہیں کیونکہ اس سے متعلق اطباء کے اقوال سے ایسا یقین حاصل نہیں ہوتا جس سے جواز ثابت ہوجائے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ اختلاف مزاج کی وجہ سے بعض کے لئے شفاء بنے اور بعض کے لئے نہیں لہٰذا اس کی حرمت برقرار رہے گی۔

قال العلامة الزيلعى رحمه الله تعالیٰ : قوله (ولا يجوز بالنجس كالخمر) وكذا كل تداو لايجوز الا بالطاهر لما روى ابن مسعود أنه عليه الصلوة والسلام قال ان الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم ذكره البخارى وعن ابى الدرداء أنه عليه الصلوة و السلام قال أنزل الداء والدواء وجعل لكل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام رواه ابى داود (تبيين الحقائق ۷/۴۳)

یعنی علاج معالجہ پاکیزہ چیزوں کے سوا نجس چیزوں سے جائز نہیں، کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں تمہاری شفاء نہیں رکھی جن کو تم پر حرام کیا (بخاری) اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اللہ تعالیٰ نے تکلیف اور اس کی دواء دونوں چیزیں نازل فرمائی ہیں اور ہر تکلیف کے لئے کسی نہ کسی چیز کو دواء بنایا ہے پس تم علاج کیا کرو البتہ حرام چیزوں کو بطور دواء استعمال مت کرو (ابوداود)

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ : تحت (قوله ولم يعلم دواء آخر) قال ونقل الحموى ان لحم الخنزير لا يجوز التداوى به و ان تعين و الله تعالیٰ اعلم .

(الشامية ۱/۲۱۰)

یعنی امام حموی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے کہ خنزیر کے گوشت کو بطور دواء استعمال کرنا جائز

نہیں اگر چہ اس کے علاوہ علاج کی کوئی اور دواء نہ بھی ہو۔

قال العلامة الرافعی رحمه الله تعالیٰ : قوله (و نقل الحموی ان لحم الخنزير الخ) يظهر ان ما نقله الحموی مبنیی علی قول الامام من عدم جواز التداوی بالمحرم لا علی مقابله من الجواز و لا يظهر الفرق بين الخنزير و غيره و الله اعلم (تقريرات الرافعی ۱/۲۶)

علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ نقل حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ہے کیونکہ آپ کے نزدیک مطلقاً تداوی بالمحرم ناجائز ہے لہٰذا ان کے ہاں اب خنزیر اور دوسرے محرمات میں فرق بھی نہ ہوگا۔

فائدہ : علامہ حموی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی عدم جواز ہی کو اختیار کیا ہے

قال العلامة ابن مازة البخاری رحمه الله تعالیٰ : و لو ان مريضا اشار اليه الطبيب بشرب الخمر روی عن جماعة من ائمة بلخ أنه ينظر ان كان يعلم يقينا أنه يصح حل له التناول و قال الفقيه عبد الملک حاكيا عن استاذه أنه لا يحل له التناول. (المحيط البرهانی ۶ /۱۱۷)

یعنی ڈاکٹر اگر کسی کو علاجاً شراب پینے کا مشورہ دے تو بلخ کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یقین پر فیصلہ ہوگا، اگر شفاء کا یقین ہے تو جائز ورنہ نہیں۔ لیکن فقیہ عبدالملک نے اپنے استاذ سے مطلقاً عدم جواز ہی نقل فرمایا ہے۔

فائدہ : فقیہ عبدالملک اور ان کے استاذ بھی مطلقا عدم جواز کے قائل ہیں۔

قال الشيخ وهبة الزحيلی : لكن قال الحنفية يجوز التداوی بالمحرم ان علم يقينا أن فيه شفاء ، و لا يقوم غيره مقامه ، اما بالظن فلا يجوز ، و قول الطبيب لا يحصل به اليقين ، و لا يرخص التداوی بلحم الخنزير ، و ان تعين .

(الفقه الاسلامی و ادلته ۴ / ۲۶۱۰)

و قال أيضا : ولا يجوز الانتفاع بها للتداوی وغيره ، لأن الله تعالیٰ لم يجعل شفاء نا فيما حرم علينا ، قال ﷺ " (ان الله) لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم " فأنه دل

علی تحریم التداوی بما حرم الله تعالیٰ و أنه لم یجعل الشفاء فیه ، و لما کانت الخمر محرمة ، دل علی تحریم التداوی بها .(الفقه الاسلامی و ادلته ۷/۵۴۹۴)

''البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر یقیناً شفاء کا علم ہو اور اس محرم کے سوا کوئی اور دواء موجود بھی نہ ہو تو تداوی بالمحرم جائز ہے۔ اور صرف ظن غالب ہو تو جائز نہیں۔ چونکہ طبیب اور ڈاکٹر کے قول سے یقین حاصل نہیں ہوتا (اور یقین کی اور کوئی صورت ہے ہی نہیں لہٰذا اب ہمیشہ حرام اشیاء سے علاج کرنا ناجائز رہے گا) اور خنزیر کے گوشت سے علاج کرنا (بھی) ناجائز ہے اگرچہ کوئی اور دواء نہ مل رہی ہو۔''

قال العلامة السرخسی رحمه الله تعالیٰ : و کذلک لا یحل أن یسقی الصبیان الخمر للدواء و غیر ذلک و الاثم علی من یسقیهم ، لأن الاثم ینبنی علی الخطاب و الصبی غیر مخاطب و لکن من یسقیه مخاطب فهو الآثم .

و الأصل فیه حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال : ان أولادکم ولدوا علی الفطرة فلا تداووهم بالخمر و لا تغذوا هم بها فان الله تعالیٰ لم یجعل فی رجس شفاء و انما الاثم علی من سقاهم ، و یکره للرجل أن یداوی بها جرحا فی بدنه أو یداوی بها دأبته لأنه نوع انتفاع بالخمر و الانتفاع بالخمر محرم شرعا من کل وجه

(المبسوط ۸/۲۴،۲۳ ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت)

''اور اسی طرح جائز نہیں کہ دواء وغیرہ کی غرض سے بچوں کو شراب پلائی جائے، اگر پلائی تو گناہ پلانے والے پر ہوگا۔ کیونکہ گناہ کا مدار خطاب یعنی تکلیف پر ہے اور بچہ غیر مخاطب یعنی غیر مکلّف ہے لہٰذا پلانے والا مکلّف ہی گناہگار ہوگا۔ اس مسئلے میں اصل اور دلیل حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے جس میں آتا ہے : بے شک تمہارے بچے فطرت پر پیدا ہوئے ہیں پس نہ تو شراب سے ان کا علاج کرو اور نہ ہی بطور غذا ان کو پلاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی ناپاک چیز میں شفاء نہیں رکھی۔ بہرحال گناہ پلانے والے ہی کو ہوگا۔ اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بدن کا علاج شراب سے کرے یا جانور کے زخم کا علاج کرائے کیونکہ یہ بھی شراب سے نفع اٹھانے کی ایک

صورت ہے اور شرعاً ہر اعتبار سے شراب سے نفع اٹھانا حرام ہے۔“

قال العلامة الکاسانی رحمه الله تعالیٰ : و کذا لا یجوز الانتفاع بها للمداواة و غیرها لأن الله تعالیٰ لم یجعل شفاء نا فی ما حرم علینا و یحرم علی الرجل أن یسقی الصغیر الخمر فاذا سقاه فالاثم علیه دون الصغیر لأن خطاب التحریم یتناوله (بدائع الصنائع ۱۱۳/۵ ، المکتبة الرشیدیة ، کوئٹه)

”اور اسی طرح بطور علاج وغیرہ بھی اس کا استعمال جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں میں ہماری شفاء نہیں رکھی اور آدمی پر حرام ہے کہ وہ چھوٹے بچے کو شراب پلائے اگر پلائی تو گناہ اس پر ہوگا نہ کہ صغیر پر۔ کیونکہ حکمِ حرمت کا مخاطَب مکلّف ہے۔“

علاج اور بھوک و پیاس کا فرق

چونکہ وحی کے بغیر یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی بھی دواء سے متعلق یہ جان سکیں کہ اس سے شفاء یقینی طور پر ملے گی اس وجہ سے اگر کوئی علاج نہ کرے اور مر جائے تو کوئی گناہ نہیں بلکہ طبیب اور ڈاکٹر کے کسی خاص دواء کے بارے میں مشورہ دینے کے باوجود کوئی علاج نہ کرے اور مر جائے تو کوئی گناہ نہیں جبکہ بھوک اور پیاس کا مسئلہ اس کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اس ماکول ومشروب سے بھوک پیاس ختم ہو جائے گی لہٰذا بھوک پیاس کے ازالہ کے لیے اگر حرام ماکول ومشروب کی ضرورت پڑ جائے تو استعمال واجب ہے ورنہ مرئے گا تو گناہ گار ہوگا۔

قال العلامة ابن مازة البخاری رحمه الله تعالیٰ : وفی النوازل اذا ظهر به داء فقال له الطبیب قد غلبک الدم فاخرجه فلم یخرجه حتی مات لا یکو ن مأخوذا لأنه لا یعلم یقینا ان الشفاء فیه و فیه ایضا استطلق بطنه أو رمدت عینه فلم یعالج حتی اضعفه ومات بسببه لا اثم علیه فرق بین هذا وبینما اذاجاع ولم یأکل مع القدرة علی الأکل حتی مات فأنه یأثم والفرق أن الاکل قدر قوته فیه شفاء یتعین فاذاترکه صار مهلکا نفسه ولا کذالک المعالجه.(المحیط البرهانی ۱۱۷/۶)

اور نوازل میں ہے کہ ایک شخص بیمار ہوا طبیب نے اس سے کہا کہ آپ پر خون کا غلبہ ہے اس کو

نکال لیں، اس نے نہیں نکالا اور مر گیا، تو گناہگار نہ ہوگا اس لئے کہ اس بات کا یقین نہیں کیا جا سکتا کہ شفاء اسی میں ہے اور نوازل میں یہ بھی ہے کہ کسی کا پیٹ جاری ہوا یا آنکھوں میں تکلیف ہوئی پھر اس نے علاج نہیں کیا یہاں تک کہ اس بیماری کی وجہ سے کمزور ہو کر مر گیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (بہرحال اس علاج کے مسئلے میں اور بھوک اور پیاس کے مسئلے میں) فرق ہے اگر بھوکے نے باوجود قدرت کے نہ کھایا اور مر گیا تو گناہگار ہوگا۔ ایک فرق یہ بھی ہے کہ بقدر قوت (زندگی بچانے کی مقدار کھانا) کھانے میں شفاء یقینی ہے اور علاج میں شفاء یقینی نہیں لہٰذا کھانا چھوڑ کر مر گیا تو خودکشی کرنے والا سمجھا جائے گا۔

نمبر ۲ کا جواب

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان حضرات مفتیان کرام زید مجدہم نے جو کچھ لکھا ہے صحیح لکھا ہے اور حنفیہ کا اصل اور ظاہر مذہب یہی ہے تو دوسری بات کا جواب خود بخود ہو گیا کہ آپ نے ان پر الزام لگایا ہے کہ ان حضرات نے اپنے بزرگوں کے خلاف لکھا ہے نیز جامعہ بنوری ٹاؤن کے مفتیان کرام نے جس عبارت سے استدلال کیا ہے اہل علم اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ اگر چمگادڑ کو دن میں نظر نہیں آتا تو اس میں سورج کا کیا گناہ ہے۔ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مابین کسی اختلافی مسئلہ کی وجوہ اور اہل اختلاف کا علمی مقام اور ان کے مختلف اقوال میں تطبیق و ترجیح ایسے امور ہیں جن کو مضبوط علمی استعداد رکھنے والے حضرات ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ہر کس و ناکس کا یہ کام نہیں۔

قابل توجہ مشورہ

آپ غیر مقلدین ہمارے اکابر کو کبھی بھی ہدف تنقید نہ بنائیں، کیونکہ جب آپ ان پر بے جا تنقید کریں گے تو ان کے سچے خدام جوابِ تنقید کے طور پر آپ کے منگھڑت مذہب، جس پر تم نے قرآن وحدیث کا خوشنما لیبل لگایا ہے، کے پردے کو چاک کر کے اصلی صورت عامۃ الناس کے سامنے آشکارہ کریں گے۔ جس کے بعد دجل وفریب کا دروازہ بند ہو جائے گا اور آپ کا کام ٹھپ

ہو جائے گا مثلاً زیر نظر مسئلہ اور اس کے متعلقات سے متعلق شاید آپ کو اپنا مذہب معلوم ہوگا کہ کتنا مہذب اور پاکدامن ہے۔ بطور نمونہ چند حوالے پیش خدمت ہیں۔

تقابلی جائزہ

مسئلہ زیر نظر اور اس کے متعلقات کا حکم کیا ہے۔ احناف کیا فرماتے ہیں اور غیر مقلدین کا مسلک کیا ہے؟

(۱) بے وضو قرآن کریم کو ہاتھ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

احناف :نہیں...... غیر مقلدین :جائز ہے (ثنائیہ، بحوالہ تجلیات ۵/ ۲۰۷)

(۲) حالت جنابت میں یعنی ناپاک مرد اور عورت کو تلاوت قرآن کریم کی اجازت ہے یا نہیں؟

احناف :نہیں....... غیر مقلدین :اجازت ہے (فتاوی ثنائیہ، بحوالہ بالا)

(۳) جس عورت کے حیض (ماہواری) کے دن ہوں، وہ اس حالت حیض میں قرآن کریم کی تلاوت کر سکتی ہے یا نہیں؟

احناف :نہیں....... غیر مقلدین :کر سکتی ہے (فتاوی ثنائیہ، بحوالہ بالا)

(۴) قرآن کریم کو پاؤں کے نیچے رکھ کر اس پر کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

احناف :نہیں...... غیر مقلدین :اگر کھانے کی چیز بلندی پر ہو تو قرآن کریم پر پاؤں رکھ کر چیز اتار کر کھا لینا جائز ہے (اوراق، بحوالہ بالا)

(۵) خون پاک ہے یا ناپاک؟

احناف :ناپاک ...... غیر مقلدین :حیض کے خون کے سوا سب خون پاک ہیں (کنز الحقائق، نزل الابرار، عرف الجادی، بدور الاھلہ، تیسیر الباری، بحوالہ بالا)

(۶) حلال جانوروں کا پیشاب، پاخانہ پاک ہے یا ناپاک؟

احناف :ناپاک ...... غیر مقلدین :پاک ہے، جس کپڑے پر لگا ہو

اس میں نماز پڑھنا درست ہے نیز بطور ادویات استعمال کرنا بھی درست ہے (فتاوی ستاریہ، بحوالہ بالا)

(۷) منی پاک ہے یا ناپاک؟

احناف : ناپاک ...... **غیر مقلدین** : پاک ہے (اور ایک قول کے مطابق اس کا کھانا بھی جائز اور حلال ہے)

(عرف الجادی، کنز الحقائق، بدور الاھلہ، ترجمہ صحیح مسلم ۱/۴۱۴، بحوالہ بالا)

قارئین کرام ! جس مذہب میں بے وضو قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز نہیں، حالت جنابت اور حالت حیض میں پڑھنا جائز نہیں اور اس کی طرف پاؤں پھیلانا درست نہیں، بھلا ایسے لوگ شرعی دلیل کے بغیر قرآن کریم کو نجاست سے لکھنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ جناب ابو جابر دامانوی اور صدیق رضا صاحب تمہارے مذہب کے یہ مسائل اتفاقی ہیں یا اختلافی؟ اتفاقی ہیں تو کس آیت اور حدیث سے؟ اختلافی ہیں تو بتائیں قرآن وحدیث کس کے ساتھ ہیں؟

جناب! اپنے گھر کی خبر لیجئے، اسے قرآن وحدیث کی روشنی سے روشن اور مزین کیجئے۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب وغیرہ مفتیان کرام زید مجدہم کی اصلاح کی ہرگز آپ کو ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ اہلِ حق کی دشمنی اور بغض سے محفوظ فرمائے کیونکہ ان کی دشمنی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **من عادیٰ لی ولیاً فقد اٰذنتہ بالحرب (البخاری ۲/۹۶۳)** ترجمہ : جو میرے کسی دوست سے دشمنی کرے تو میری طرف سے اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔

﴿اہم سوالات﴾

زائغین سے چند اصول وقواعد کی وضاحت

﴿سوال نمبر ۱﴾

(۱) اجماع دلیلِ شرعی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی حقیقت اور تعریف کیا ہے؟

(۲) کس زمانے کے لوگوں کا اجماع حجت ہے؟

(۳) کس قسم کی صلاحیت واستعداد کے حامل افراد کا اجماع حجت ہے؟

(۴) ثبوت اجماع کے لئے ان سب کا ایک بات پر متفق ہونا ضروری ہے یا اکثر کا یا بعض کا؟

(۵) کس قسم کے احکام میں اجماع سے استدلال درست ہے؟

﴿سوال نمبر ۲﴾

(۱) قیاس شرعی کی تعریف اور حقیقت کیا ہے؟

(۲) شرعی قیاس کون کرے گا؟ اور کن حضرات کے لئے کرے گا؟

(۳) شرعی قیاس کرنے والے پر یہ اعلان کرنا کہ میں شرعی قیاس کا اہل ہوں، ضروری ہے یا نہیں؟

(۴) مذکورہ اعلان شرعی دلیل کے بغیر معتبر سمجھا جائے گا یا نہیں؟

(۵) اگر دلیل ضروری ہے تو کس قسم کی دلیل سے اس کی اہلیت ثابت ہوسکتی ہے؟

(۶) کن مسائل میں قیاس شرعی حجت ہے؟ اور کن میں نہیں؟

(۷) حافظ زبیر علی زئی نے مندرجہ بالا عبارت میں سید نذیر حسین دہلوی صاحب، حافظ عبد اللہ غازی پوری صاحب، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حافظ ابن حزم الاندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص نام لے کر ان کی تقلید میں جو اجماع اور قیاس شرعی کو تسلیم کیا ہے اس میں ان سے کہیں شرک تو نہیں ہوا؟

تنبیہ : جو غیر مقلدین ببانگ دہل یہ اعلان کرتے ہیں کہ اجماع اور قیاس، حجت شرعیہ نہیں ان سے متعلق درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں :

(۱) اجماع و قیاسِ شرعی کی حجت کا انکار قرآن و حدیث کا انکار ہے یا نہیں؟

(۲) انکار کرنے والوں کا حکم کیا ہے؟ مسلمان ہیں یا نہیں؟

﴿سوال نمبر ۳﴾

کتاب و سنت کا وہی مفہوم معتبر ہے جو سلف صالحین سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو درج ذیل امور قابلِ وضاحت ہیں :

(۱) سلفِ صالحین کا مصداق کون کون سے حضرات ہیں؟

(۲) ان حضرات کی مکمل تعداد، نام مع زمانہ بالتفصیل بتائیں؟

(۳) کیا سلف صالحین کے ناموں کا قرآن کریم اور احادیث میں ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

(۴) سلف صالحین کا زمانہ کب سے کب تک ہے؟

(۵) آج اگر کسی آیت یا حدیث کے مفہوم میں اختلاف ہو جائے اور آپ کے بتائے ہوئے ناموں میں سے کسی نام کی شخصیت نے اس کا مفہوم نہیں بتایا تو اس کا فیصلہ کس طرح ہوگا؟

(۶) سلفِ صالحین کے مابین اور حدیث کے مفہوم میں اختلاف ہو جائے تو ایسی صورت میں بعد والے کس پر عمل کریں؟

(۷) سلفِ صالحین بننے کے لئے صرف علمی صلاحیت و استعداد کی ضرورت ہے؟ یا صرف تقوی و طہارت کی؟ یا پھر دونوں کی؟

(۸) اگر علمی صلاحیت و استعداد کی ضرورت ہے یا تقوی و طہارت کی یا دونوں کی، جس کی بھی ضرورت ہو اس کی مقدار بتائیں؟

(۹) قرآن و حدیث نے اس مقدار کے لئے جو پیمانہ مقرر کیا ہے وہ بھی بتائیں؟

(۱۰) آپ کے بتائے ہوئے پیمانے کے مطابق اگر یہ صلاحیت سلفِ صالحین کے زمانے کے بعد کسی فرد میں پائی جائے تو اس کے بتلائے ہوئے مفہوم کا حکم سلفِ صالحین کے حکم کی طرح ہوگا یا نہیں؟

(۱۱) کیا قرآن کریم کی کسی آیت یا حدیث سے یہ ثابت ہے کہ سلفِ صالحین کا زمانہ یہ ہے اور اس کے بعد اب اس درجہ کا کوئی پیدا نہیں ہوگا؟

(۱۲) اگر پیدا ہو سکتا ہے تو آیت اور حدیث بتلائیں؟ اگر نہیں تو وہ آیت اور حدیث بتائیں؟

﴿سوال نمبر ۴﴾

و اذا جاء هم امر من الامن او الخوف اذاعوا به و لو ردوه الى الرسول و الى اولى الامر منهم (النساء ۸۳)

"اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول (ﷺ) کے اور جو اُن میں سے ایسے امور کو سمجھتے ہیں، ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات پہچان ہی لیتے اور جو اُن میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں"

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون (الانبياء : ۷) "سو تم کو معلوم نہ ہو تو اہلِ ذکر (علماء) سے دریافت کر لو"

و اتبع سبيل من اناب الىّ (لقمان ۱۵) "اور اس شخص کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع کرے"

و قالوا لو كنا نسمع او نعقل ما كنا فى اصحاب السعير (الملک : ۱۰)

"اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہلِ دوزخ نہ ہوتے"

اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران و اذا حكم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر (بخاری ۱۰۹۲/۲، مسلم ۷۶/۲) "یعنی جب حاکم فیصلہ کرے اور صحیح فیصلہ پر پہنچ جائے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر حاکم اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس سے خطا ہو جائے تو ایک اجر کا مستحق ہے"۔

ہر ادنی سا طالب علم یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ تمام لوگ فہم و سمجھ کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے اور یہ عام مشاہدہ ہے کہ جماعت کے تمام لڑکے پہلے نمبر پر نہیں آتے جو کامل درجہ کا باصلاحیت ہو وہ پہلے نمبر کا مستحق بنتا ہے جو اس درجہ کا حامل نہ ہو وہ دوسرے، تیسرے یہاں تک کہ صلاحیت کی کمزوری کی وجہ سے راسب اور ناکام بھی ہو جاتے ہیں۔

درج بالا آیات و حدیث سے صراحتاً یہ اصل وضابطہ معلوم ہوتا ہے کہ فہم و سمجھ کے اعتبار سے لوگوں کی دو قسمیں ہیں یعنی بعض وہ ہوتے ہیں جو شریعت دان اور ماہرِ شریعت ہوتے ہیں اور اس مہارت کی وجہ سے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے وہ گہرے اور مخفی مسائل جن تک ہر کس و ناکس کا ذہن نہیں پہنچتا، کو ظاہر کرنے والے ہوتے ہیں اور بعض وہ ہوتے ہیں جو فہم و سمجھ کی خداداد صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں۔

الحاصل : ایک قسم اہلِ استنباط واجتہاد کی ہے اور دوسری قسم وہ جو استنباط و اجتہاد کے اہل نہیں۔اب ان سے متعلق یہ امور قابلِ وضاحت ہیں :

(۱) فہم و سمجھ کے اعتبار سے لوگ یکساں ہیں یا نہیں؟ غیر مقلد صاحب اپنی رائے سے مطلع فرمائیں؟

(۲) اگر آپ کے ہاں بھی یکساں نہیں ہیں جیسا کہ نصوص سے ثابت ہے تو ان کے مابین حدِ فاصل کا پیمانہ بتائیں؟

(۳) دونوں قسمیں مقام و رتبہ اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے برابر ہیں یا نہیں؟

(۴) اگر نہیں تو ان کا مقام و رتبہ اور ذمہ داریاں بالتفصیل بتائیں؟ جیسے امام کا مقام اور ذمہ داری یہ ہے کہ وہ نماز پڑھائے اور مقتدی کا یہ ہے کہ وہ اس کی اقتداء میں نماز پڑھے۔

﴿سوال نمبر ۵﴾

صحیح بخاری کی روایت " **انما العلم بالتعلم** "(**المجلد ۱ /۱۶**) جس کی حضرات

شارحین رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ شرح فرمائی ہے ''**لیس العلم المعتبر الا المأخوذ من الانبیاء و ورثتھم علی سبیل التعلم و التعلیم**'' (**کرمانی و نحوہ فتح الباری ۱/ ۱۶۳ و کذا فی العمدۃ القاری ۲/ ۵۸**)، اس حدیث وشرح سے یہ اصل و قاعدہ معلوم ہوا کہ علم وہی معتبر ہے جو با قاعدہ کسی استاد سے تعلیم و تعلم کے ذریعہ حاصل ہوا ہو اور جو علم صرف اردو تراجم وغیرہ کی مرہونِ منت ہو وہ معتبر نہیں لہٰذا ایسے شخص کی بات پر اعتبار کرنا جائز نہیں۔

اب اس سے متعلق چند امور کی وضاحت مطلوب ہے :

(۱) حدیث میں بیان کردہ اصول کا علم صرف وہ معتبر ہے جو با قاعدہ کسی استاد سے تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہو، کو ماننا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس سے آدمی منکرِ حدیث بنا یا نہیں؟

(۲) اگر آپ بھی حدیث کے مطابق ضروری سمجھتے ہیں تو اس ضابطہ کی حدودِ اربعہ کے بارے میں بتائیں کہ استاد سے حاصل کردہ علم کی کتنی مقدار معتبر ہے؟ اس کا پیمانہ بتانا ضروری ہے تا کہ معتبر و غیر معتبر میں فرق آسان ہو۔

(۳) معتبر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

(۴) کسی شخص نے با قاعدہ کسی استاد سے تعلیم و تعلم کے ذریعہ علم حاصل کیا، اس کا کسی آیت و حدیث کے بارے میں بتایا ہوا مفہوم بھی سلفِ صالحین کے مفہوم کی طرح معتبر ہوگا یا نہیں؟

(۵) علمِ معتبر کا زمانہ کب سے کب تک ہے؟

(٦) آج بھی کسی کو علمِ معتبر حاصل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

مندرجہ بالا امور کے جوابات صرف قرآن پاک کی صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث سے دینا ضروری ہے جواب سے سکوت کر کے گونگا شیطان بننے کی اجازت نہیں۔ جواب جلد از جلد دیجئے تا کہ آپ کے سوالات کے جوابات جلد از جلد دیئے جاسکیں۔

تنبیہ : جو بھی باطل فرقہ خواہ منکرِ حدیث ہو یا غیر مقلد یا خواہ مرزائی ہو یا عثمانی، اگر آپ کو سوالات دیں کہ علماء سے ان کے جواب لے آؤ۔ تو یہ اہم سوالات پہلے ان سے ضرور حل کروائیں اور پھر ان کے سوالات اس حل کے ساتھ اپنے علماء کے پاس لے جائیں۔

یاد رکھئے! جب تک وہ اِن سوالات کا حل نہ دیں، تب تک ان سے سوالات نہ لیں۔

تراویح، جمعہ، عیدین اور پنجگانہ نمازوں میں عورتوں کی شرکت اور تراویح میں عورتوں کی امامت کا حکم

السؤال

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیان دین کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں عورتیں جماعت میں شریک ہوتی تھیں اور عیدین میں مردوں کے ساتھ انہیں شرکت کا حکم دیا جاتا تھا اور مسجد جانے سے روکنے والے شوہروں کو منع کیا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو مسجد جانے سے منع نہ کرو۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لئے جمعہ، عیدین اور تراویح وغیرہ نمازوں میں شرکت جائز بلکہ مستحب اور تاکیدی حکم ہے، لہٰذا حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ان کو مسجد جانے سے منع کرنا احادیث کے مقابلہ میں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ازراہ کرم عورتوں کا مسجد کی جماعت میں شرکت کا حکم تفصیل کے ساتھ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں؟

(۲) نیز یہ بھی بتائیں کہ گھر کے اندر تراویح میں عورت کی امامت کا حکم کیا ہے؟

الجواب باسم ملهم الصواب

(۱) عورتوں کے مسجد کی جماعت میں شرکت سے متعلق جملہ روایات پر نظر رکھنے والے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ ہے وہ درست اور عین شریعت کے مطابق ہے اور شرکت کی اجازت دینا کج فہمی، کم فہمی یا غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ کہ عورتوں کے لئے جس

طرح پنج وقتہ نمازوں میں شرکت کے لئے گھر سے نکل کر مسجد میں جانا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے اسی طرح تراویح، جمعہ اور عیدین کے لئے بھی نکلنا ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے۔

اور آپ ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو جو مسجد جانے کی اجازت تھی وہ صرف اباحت کے درجہ میں تھی کوئی تاکیدی حکم نہ تھا اور خاص حالات کے پیش نظر یہ اجازت تھی۔ اس کو تاکیدی اور عام حالات کا حکم سمجھنا اور اس دورِ پرفتن میں ان کو اجازت دینا درج ذیل وجوہ کی بنا پر غلط اور باطل ہے

(۱) جو عورتیں آپ ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں نہ آتی تھیں ان پر آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی قسم کی سختی نہیں فرمائی، ہاں مرد اگر کوتاہی کرتے تو ان پر سختی فرماتے۔ جس سے عدم تاکید واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال لو لا ما فی البيوت من النساء و الذرية اقمت صلوة العشاء و امرت فتيانی يحرقون مافی البيوت بالنار. رواه أحمد (مشكوة ٩٧، ط: قديمی)

ترجمہ : آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں (کسی کو امام بنا کر) عشاء کی جماعت کھڑی کراتا اور جوانوں کو حکم دیتا کہ (جن گھروں کے مرد مسجد نہیں آتے) ان گھروں کو جلا دو۔

(۲) آپ ﷺ نے "**خير مساجد النساء قعر بيوتهن**" فرما کر عورتوں کی نماز پڑھنے کی جگہوں میں سب سے بہتر جگہ ان کے گھروں کے اندرونی حصہ کو قرار دیا ہے۔

عن أم سلمة زوج النبی ﷺ عن النبی ﷺ خير مساجد النساء قعر بيوتهن. (المستدرک ١/ ٢٦٢)

ترجمہ: ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے لئے ان کے نماز پڑھنے کی جگہوں میں سب سے بہتر جگہ ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔

(۳) شوہروں کو منع کرنے سے روکنا اس لئے نہ تھا کہ عورتوں کے لئے جانا ضروری اور

تاکیدی حکم ہے، بلکہ صرف اباحۃً ومشورۃً تھا۔ کہ اگر نہ روکو اور جانے دو تو بھی کوئی حرج نہیں، اسی لئے ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ گھر ہی میں نماز پڑھے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال :قال رسول اللہ ﷺ : لا تمنعوا نسائکم المساجد و بیوتھن خیر لھن .(المستدرک علی الصحیحین ۱/ ۴۶۲)

ترجمہ :حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :کہ اپنی عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع نہ کرو، اوران کے لئے ان کے گھر زیادہ بہتر ہیں۔

(۴) آپ ﷺ ہی کے زمانہ میں قبیلہ بنی ساعد کے لوگوں نے اپنی بیویوں کو مسجد جانے سے روکنا شروع کیا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے اُن کے شوہروں سے کچھ نہیں فرمایا، بلکہ عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا مسجد جانا تاکیدی حکم نہ تھا۔

و عن أم حمید امرأۃ أبی حمید الساعدی (رضی اللہ تعالیٰ عنھما) انھا جاء ت النبی ﷺ فقالت : یا رسول اللہ انی أحب الصلوۃ معک ، قال : قد علمت أنک تحبین الصلوۃ معی ، و صلوتک فی بیتک خیر من صلاتک فی حجرتک ، و صلاتک فی حجرتک خیر من صلاتک فی دارک ، و صلاتک فی دارک خیر من صلاتک فی مسجد قومک ، و صلاتک فی مسجد قومک خیر من صلاتک فی مسجدی ،قالت : فأمرت فبنی لھا مسجد فی اقصی بیت من بیتھا و أظلمه، فکانت تصلی فیه حتی لقیت اللہ عزوجل. (مجمع الزوائد ۲/ ۱۵۷)

ترجمہ :حضرت ام حمید (جو آپ ﷺ کے صحابی ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی ہیں) فرماتی ہیں کہ ہمارے قبیلے کی عورتوں کو ہمارے خاوند مسجد میں آنے سے منع کرتے تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ با جماعت نماز پڑھا کریں مگر ہمارے خاوند ہمیں اس سے منع کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا گھروں کے اندر نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور برآمدے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور صحن میں نماز پڑھنا محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور محلّہ کی مسجد

میں نماز پڑھنا میرے ساتھ (مسجد نبوی ﷺ) میں باجماعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

اس کے بعد ام حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حکم دیا کہ میرے گھر کے تاریک کمرے میں میری نماز کی جگہ بنادو۔ اور وصال تک وہیں نماز ادا فرماتی رہیں۔

(۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر آپ ﷺ اس (آزادی) کو دیکھ لیتے جو عورتوں نے ظاہر کی ہے تو آپ ﷺ ان کو مسجد میں جانے سے ضرور منع فرماتے۔ جب اس زمانہ کے حالات منع کا سبب تھے تو آج کے انتہائی ناگفتہ بہ اور گرے ہوئے حالات کیوں نہیں؟

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت : لو أدرک رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد. (البخاری ۱/۱۲۰، مسلم ۱/۱۸۳)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمعہ کے دن مسجد میں کھڑے ہوکر عورتوں کو پتھر مار کر مسجد سے نکال دیا کرتے تھے۔

کیا ان کو پتہ نہ چلا کہ یہ تاکیدی حکم ہے؟

و کان ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما یقوم یحصب النساء یوم الجمعة یخرجهن من المسجد. (عمدة القاری ۴/۶۴۷)

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پکی قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ عورت کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ جگہ نماز کے لئے اس کے گھر کا اندرونی حصہ ہے (کیا اس مجتہد صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ جانا تاکیدی حکم ہے؟)

و قال أبو عمرو الشیبانی : سمعت ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه حلف فبالغ فی الیمین :ما صلت امرأة صلاة أحب الی الله تعالیٰ من صلاتها فی بیتها.

(عمدة القاری ۴/۶۴۷)

(۸) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی عورتوں کو جمعہ اور پنج وقتہ جماعت میں شرکت سے منع کرتے تھے۔ یہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں فتوی دیا

کرتے تھے۔

و کان ابراھیم یمنع نساءہ الجمعة و الجماعة (عمدة القاری ۴/۷/۶۴)

(۹) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے لئے نماز کی سب سے بہترین جگہ اس کا گھر ہے، چاہے عورت بوڑھی کیوں نہ ہو۔

و قال النووی رحمه الله تعالیٰ : لیس للمرأة خیر من بیتها و ان کانت عجوزا (عمدة القاری ۴/۷/۶۴)

فائدہ : امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ بوڑھیوں کو اجازت نہیں دیتے تھے جبکہ اس دور پر فتن میں جوان عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت بلکہ ترغیب دی جاری ہے۔فوا أسفا۔

(۱۰) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ احادیث کے معانی سب سے زیادہ جاننے والے، حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

قال الفقهاء و هم أعلم بمعانی الحدیث (جامع الترمذی ۱/۱۹۳، **باب ما جاء فی غسل المیت**) لہٰذا ان حضرات نے جملہ روایات اور زمانہ کے تغیرات کو سامنے رکھکر جو فیصلہ کیا ہے وہی فیصلہ شریعت کا فیصلہ ہے اور واجب العمل ہے۔اس کے خلاف صرف ایک دو روایتیں دیکھ کر جدید دور کے نام نہاد مجتہدین کا عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دینا اور اس اجازت کو مستحب اور تاکیدی حکم سمجھنا خلاف شریعت اور خطرناک قسم کی گمراہی کا دروازہ کھولنا ہے۔ **کذا فی الھدایة و فتح القدیر و البحر و الھندیة و الدر المختار و الشامیة و الجوھرة و التبیین و الزیلعی و البدائع و غیرھا.**

(۲) تراویح میں عورت کی امامت دو وجہ سے ناجائز اور مفسد ہے۔

(الف) راجح قول کے مطابق نماز میں عورت کی آواز ستر ہے، اس پر آہستہ پڑھنا واجب ہے بلند آواز سے پڑھے گی تو نماز فاسد ہو جائے گی جبکہ عورتیں بلند آواز سے پڑھتی ہیں۔

(ب) تراویح میں صحت امامت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ امام خاتون نے جماعت سے

عشاء کے فرض پڑھے ہوں جبکہ اکثر جگہ فرض جماعت سے نہیں پڑھتیں۔

نوٹ ۱ : اگر یہ دونوں باتیں نہ بھی ہوں تو بھی بتصریح فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ عورتوں کے لئے عام نمازوں کی جماعت کی طرح تراویح بھی مکروہ تحریمی اور گناہ کبیرہ ہے۔

نوٹ ۲ : جن روایات میں عورتوں کی امامت کا ذکر ہے وہ امام کاسانی اور صاحب بحر رحمہما اللہ تعالیٰ کی تصریح کے مطابق منسوخ ہیں۔

قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ : الا ان جماعتھن مکروھۃ عندنا وعند الشافعی مستحبۃ کجماعۃ الرجال ویروی فی ذلک احادیث لکن تلک کانت فی ابتدأ الاسلام ثم نسخت بعد ذلک (بدائع الصنائع ۱/۱۵۷)

قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ :قولہ :(فان فعلن تقف الامام وسطھن کالعراۃ) لأن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فعلت کذلک وحمل فعلھا الجماعۃ علی ابتداء الاسلام ولان فی التقدم زیادۃ الکشف.(البحر الرائق ۱/۶۱۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیس رکعات تراویح

سوال : کیا بیس رکعات تراویح کا کوئی ثبوت ہے؟

جواب : بیس رکعت تراویح کا ثبوت صحیح حدیث، اجماع اور عقل ودرایت تینوں سے ہے

حدیث : عن ابن عباس رضی الله تعالى عنهما أن رسول الله ﷺ كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة والوتر. (مصنف ابن أبى شيبة ٢/٢٨٦، ط: طيب اكيڈمی، ملتان)

اجماع : (۱) ملا علی القاری المکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لكن أجمع الصحابة على أن التراويح عشرون ركعة (المرقات ۳/۳۸۲، رشیدیہ کوئٹہ) یعنی بیس رکعت تراویح پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہوا۔

(۲) وبالاجماع الذى وقع فى زمن عمر رضى الله تعالى عنه أخذ أبو حنيفة و النووى و الشافعى و أحمد و الجمهور واختاره ابن عبد البر.

(اتحاف سادة المتقين ۳/۴۲۲، بحواله رسائل)

اور جو اجماع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوا اسی کو امام اعظم ابوحنیفہ، امام نووی، امام شافعی، امام احمد اور جمہور علماء نے اپنایا اور ابن عبد البر نے بھی اسی کو اختیار کیا

(۳) و قال ابن عبد البر : و هو الصحيح عن أبى بن كعب من غير خلاف من الصحابة. (عمدة القارى ۸/۲۴۶، دار الفكر بيروت)

ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اور یہ (بیس رکعت تراویح) صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، کسی ایک صحابی کے اختلاف کے بغیر۔

(۴) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : قد ثبت أن أبى بن كعب رضى الله تعالى عنه كان يقوم بالناس عشرين ركعة و يوتر بثلاث فرأى أكثر من العلماء أن ذلك هو السنة لانه قام بين المهاجرين والانصار ولم ينكره منكر.

(فتاوى ابن تيميه قديم ۱/۱۸۶، جديد ۳/۱۱۳، بحواله رسائل)

یعنی چونکہ یہ ثابت ہو چکا کہ ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے لہٰذا اکثر علماء کے نزدیک سنت بھی یہی ہے کیونکہ انہوں نے یہ عمل مہاجرین اور انصار کے ہوتے ہوئے کیا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔

سردست ان چار حوالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

عقل و درایت : اگر انصاف سے درج ذیل دو باتوں پر غور کیا جائے تو کسی صاحب عقل و درایت کے لئے یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ تراویح کی مقدار آٹھ نہیں بلکہ آٹھ سے زیادہ ہے۔

(۱) صحیح مسلم کی حدیث میں ہے ''**کان رسول الله ﷺ یجتهد فی رمضان ما لا یجتهد فی غیره**'' کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں غیر رمضان کی نسبت زیادہ کوشش فرماتے تھے۔ چونکہ آٹھ کا معمول تو غیر رمضان میں بھی تھا لہٰذا ظاہر ہے کہ رمضان میں آٹھ کے معمول میں اضافہ ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ خود غیر مقلدین کے امام جناب نواب صدیق حسن خان صاحب نے اسی حدیث کے پیش نظر فرمایا : ''**أن عددها کثیر**'' کہ تراویح کی مقدار و عدد زیادہ تھی۔

(۲) تقریباً پوری امت کے معتدل اور سنجیدہ حضرات کا اس نماز کے نام پر اتفاق ہے کہ اس کا نام تراویح ہے۔ امت کا اس نام پر اتفاق کر لینا بھی اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ یہ نماز آٹھ رکعت نہیں بلکہ آٹھ سے زیادہ ہے کیونکہ تراویح جمع ہے ترویحہ کی اور ترویحہ میں چار رکعتیں ہوتی ہیں اور عربی کی جمع کے افراد کم از کم تین ہوتے ہیں، تو تراویح کے کم از کم افراد تین ترویحے ہیں جن کی کل رکعتیں بارہ بنتی ہیں جو آٹھ سے زیادہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ لفظ تراویح آٹھ پر منطبق اور فٹ نہیں آتا بلکہ آٹھ سے زیادہ رکعات کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

تنبیہ : اگر کوئی کہے کہ میں اس کو تراویح نہیں کہتا تو ایسے ہٹ دھرم، سوادِ اعظم و اجماع سے باغی کے لئے ہماری گذارشات ہیں ہی نہیں۔

حدیث پر اعتراض : غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس حدیث کو صاحب فتح القدیر وغیرہ نے ابراہیم بن عثمان راوی کی وجہ سے ضعیف کہا ہے لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں۔

جواب: ابراہیم کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف اور نا قابل استدلال کہنا دو وجہ سے صحیح نہیں۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ کسی راوی کے ثقہ ہونے کے لئے بنیادی طور پر دو ہی باتیں ضروری ہیں ایک حفظ اور دوسری عدالت، ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے الحافظ کہا ہے اور کسی نے اس کے حافظے پر جرح نہیں کی۔

(رسائل ۱/ ۲۲۷)

ان کی امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ الاستاذ یزید بن ہارون رحمہ اللہ تعالیٰ نے اعدل وغیرہ الفاظ سے تعدیل فرمائی ہے اور ان کی تعدیل و توثیق بہت وزن رکھتی ہے۔ ''تہذیب'' میں ہے **قال یزید بن ہارون : وکان علی کتابته ایام کان قاضیا ما قضی علی الناس رجل یعنی فی زمانه اعدل فی قضائه منه** (تہذیب ۱/ ۱۴۵، از لمعات المصابیح)

سوال: امام شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر جرح کی ہے جس سے اس کی عدالت ختم ہوئی۔ اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: (۱) شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی جرح کا علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذاق اڑایا ہے۔

(۲) تہذیب میں لکھا ہے کہ شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ثقہ راوی سے روایت لیتے تھے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابوشیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ روایت لیتے تھے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جرح سے رجوع کر لیا ہوگا۔ اگر رجوع مان لیا جائے تو راوی ثقہ، درجہ صحیح میں ہوگا، اور اگر رجوع ثابت نہ مانا جائے تو راوی مختلف فیہ ہوگا اور درجہ حسن میں آئے گا۔

(بحوالہ رسائل ۱/ ۲۲۷)

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور مبارک سے لیکر آج تک امت کا بیس رکعت تراویح پر عمل ہے اور تلقی بالقبول صحتِ حدیث کی علامت ہے۔

مختصر تفصیل اس کی یہ ہے کہ عملی مسائل کا اصل دارومدار تعامل امت پر ہے جس حدیث پر

امت بلا نکیر عمل کرتی چلی آرہی ہو اس کی سند پر بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور جس حدیث پر امت نے عمل ترک کر دیا ہو اس کی سند خواہ کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو، وہ معلول قرار پاتی ہے۔ ''نورالانوار'' میں صراحت ہے کہ جس خبر واحد کو تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو جائے تو اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ ''**المعجم الصغیر**'' للطبرانی کے آخر میں صفحہ ۱۷۷ سے ۱۹۹ تک اس اصول پر مستقل رسالہ ہے جس کا نام ہے ''**التحفة المرضية في حل بعض مشكلات الحديثية**'' جس میں امام شافعی، امام بخاری، امام ترمذی، علامہ سیوطی، سخاوی اور شوکانی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے یہ اصول واضح فرمایا گیا ہے۔ (رسائل ۱/۲۲۳)

اعجوبہ: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی کے ارشاد کے مطابق جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی مرفوع حدیث کا راوی بھی یہی ابراہیم ابوشیبہ ہیں غیر مقلدین کا فرض بنتا ہے کہ وہ ابراہیم کی وجہ سے اس حدیث کا انکار کر کے سورۃ فاتحہ کے وجوب کے منکر ہو جائیں لیکن صد افسوس اس جگہ ان کی جرح اور ضعف کو یہ لوگ بھول جاتے ہیں۔

قارئین کرام! اگر ابراہیم کی وجہ سے تراویح کی روایت ضعیف ہے تو فاتحہ کی ضعیف کیوں نہیں؟ اور اگر فاتحہ کی حدیث میں ثقہ ہیں تو تراویح کی حدیث میں کیوں ثقہ نہیں؟ صحاح ستہ

سوال : صحاح ستہ میں سے اگر کسی ایک کتاب میں تراویح کا عدد اور مقدار صراحۃً کسی صحابی یا تابعی وغیرہ رضی اللہ تعالی عنہم سے ثابت ہو تو کتاب کے نام اور صفحہ کے حوالہ سے بتا دیجئے اور ہمیں اپنے ساتھ ملا لیجئے۔

جواب : صحاح ستہ میں سے جامع ترمذی میں تراویح کی بیس رکعات کی نسبت خلیفہ راشد حضرت عمر، خلیفہ راشد حضرت علی و دیگر صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم، سفیان ثوری، ابن مبارک، امام شافعی اور اکثر اہل علم رحمہم اللہ تعالی کی طرف موجود ہے۔ صفحہ اور عربی عبارت ملاحظہ کیجئے اور ساتھ ہونے کا وعدہ پورا کیجئے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: **و أكثر أهل العلم على ما روى عن علي و عمر و**

غيرهما من اصحاب النبی ﷺ عشرين ركعة و هو قول سفيان الثوری و ابن المبارک و الشافعی و هكذا أدرک ببلادنا بمكة يصلون عشرين ركعة .(ترمذی ۱/۱۶۶)

اور اکثر اہل علم کا عمل حضرت علی اور حضرت عمر اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ سے مروی بیس رکعت کے مطابق ہے اور یہی قول ہے سفیان ثوری، ابن مبارک اور شافعی کا اور اسی پر عمل پایا جاتا ہے ہمارے شہروں میں اور مکہ مکرمہ میں کہ لوگ بیس رکعتیں ہی پڑھتے ہیں۔

مطالبہ : اگر غیر مقلدین میں ہمت ہو تو ہماری طرح ایک ایسی صریح ، صحیح اور غیر متعارض، غیر مضطرب حدیث پیش کریں جس میں رمضان کی تخصیص کے ساتھ آٹھ رکعت تراویح کا ذکر ہو (تہجد کی حدیث سے استدلال کرنا ہتھیار ڈالنا تصور کیا جائے گا) یا صحاح ستہ میں سے کسی ایک کتاب کے حوالے سے ثابت کریں کہ کسی ایک صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے کبھی ایک دن بھی آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہو یا قول کیا ہو یا اصحاب صحاح میں سے کسی ایک محدث نے آٹھ رکعت تراویح کا قول منسوب کیا ہو، جیسے ہم نے جامع ترمذی کے حوالہ سے ثابت کیا ہے۔

سوال : چونکہ اہل تجربہ کا مشاہدہ ہے کہ جتنے غیر مقلدین کے افراد ہیں اتنے ان کے اقوال اور مذاہب بھی ہیں۔ ہر غیر مقلد دوسرے غیر مقلد کو گمراہ اور قرآن وحدیث کا مخالف سمجھتا ہے۔ آپ اس کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے غیر مقلد کی تحریر یا تقریر بتائیں تو فوراً یہ کہکر ”میں اس کا مقلد نہیں ہوں“ رد کردے گا۔اگر کوئی غیر مقلد یہ کہے کہ ابو شیبہ راوی کی وجہ سے میں جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی حدیث اور بیس رکعات تراویح کی حدیث دونوں کو ضعیف مانتا ہوں تو اس کے سامنے بیس رکعات کا ثبوت آپ ﷺ سے کس طرح ہوگا؟

جواب : اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آپ ﷺ سے آٹھ کی طرح بیس رکعات کا مرفوع حدیث میں ثبوت نہیں تو بھی دو وجہ سے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق بیس ہی کا پڑھنا سنت ہوگا نہ کہ آٹھ کا۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ خود غیر مقلدین کے اکابر علماء نے تسلیم کیا ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ مرفوعہ میں کوئی عدد متعین نہیں نہ آٹھ نہ بیس، البتہ ان میں سے بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ صحیح مسلم کی

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عدد زیادہ تھا۔

علامہ وحید الزماں غیر مقلد فرماتے ہیں: **و لا یتعین لصلوة لیالی رمضان یعنی التراویح عدد معین** (نزل الابرار ا/۱۶۶) یعنی تراویح کا کوئی عدد متعین نہیں۔

غیر مقلد ابوالخیر میر نورالحسن صاحب لکھتے ہیں: **و بالجملہ عددے معین در مرفوع نیامدہ** (العرف الجادی ۸۴) کہ کسی مرفوع حدیث میں کوئی معین عدد نہیں آیا۔

غیر مقلدوں کے امام جناب نواب صدیق حسن خان صاحب رقم طراز ہیں: **ان صلوة التراویح سنة باصلها لما ثبت أنه ﷺ صلاها فی لیالی ثم ترکها شفقة علی الامة لا تجب علی العامة او یحسبوها واجبة و لم یأت تعین العدد فی الروایات الصحیحة المرفوعة لکن یعلم من حدیث کان رسول الله ایجتهد فی رمضان مالا یجتهد فی غیره.**

(رواه مسلم) أن عددها کثیر (الاتقاد الرجیع)

نواب صاحب کی اس عبارت کو بار بار پڑھئے، آپ کس وضاحت سے فرما رہے ہیں کہ روایات صحیحہ مرفوعہ میں تراویح کی معین مقدار مذکور نہیں (شاید ان حضرات نے صحیح بخاری نہ پڑھی ہوگی)

(۲) دوسری وجہ یہ کہ آپ ﷺ کا ارشاد "**علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین**" (الحدیث) صحیح سند سے ثابت ہے۔ لہٰذا جب ہمیں معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ سے آٹھ رکعات ثابت نہیں اور بیس کے عدم ثبوت کو بھی ہم فرض کر چکے ہیں تو اب آپ ﷺ ہی کے ارشاد "**علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المھدیین**" کے مطابق خلفائے راشدین کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔ چونکہ ان خلفاء میں سے خلیفۂ راشد حضرت عمر اور خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جامع ترمذی میں صراحۃً بیس رکعات تراویح منقول ہے لہٰذا ہم سب مخلص منصف مسلمانوں پر لازم ہے کہ ضد و عناد کے زہر کو تھوک کر حق کا اتباع کریں اور آپ ﷺ ہی کے حکم کو پورا کرتے ہوئے ان خلفائے راشدین کے قول و عمل کو اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

اشکالات وجوابات

اشکال نمبر۱ : ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا تو آٹھ رکعت تراویح بیان فرماتی ہیں۔

جواب : جو لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے آٹھ رکعات تراویح ثابت کرتے ہیں وہ ایک غلط فہمی کا شکار ہیں اور ان کی یہ غلط فہمی صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فہم کے مقابلے میں کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ ان لوگوں نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کو صرف تراویح پر محمول کیا ہے یا تراویح اور تہجد دونوں پر۔ حالانکہ اس روایت میں صرف تہجد (جو پورے سال پڑھی جاتی ہے) اور وتر کا بیان ہے۔ اگر تراویح سے بھی اس کا تعلق ہوتا تو مدینہ منورہ میں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالی عنہا کے سامنے دور فاروقی، عثمانی اور علوی میں مسجد نبوی کے اندر جب آٹھ سے زائد رکعات تراویح پڑھی جاتی رہی تو آپ رضی اللہ تعالی عنہا اس حدیث کو پیش فرما کر ان کے اس عمل کو رد فرماتیں اور ضرور منع فرماتیں، لیکن انہوں نے ایک دن بھی اس حدیث کو آٹھ سے زائد تراویح کے خلاف پیش نہیں کیا۔ اگر کوئی پیش کرنے کا مدعی ہے تو صحیح سند اور صحیح روایت لائیں اور انعام حاصل کریں۔

اشکال نمبر۲ : حضرت جابر اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہما کی روایت سے بھی آٹھ کا ثبوت ملتا ہے (قیام اللیل للامام ابن نصر المروزی ۹۰ بحوالہ لمعات المصابیح)

جواب : اس کے دو جواب ہیں۔

(۱) یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔ (تقریب، میزان الاعتدال، ابکار المنن ۱۹۱)

(۲) ان دونوں نے بھی ام المؤمنین رضی اللہ تعالی عنہا کی طرح خلافت راشدہ کے دور میں آٹھ سے زائد کے خلاف اپنی اس روایت کو ایک مرتبہ بھی پیش نہیں کیا۔

اشکال نمبر۳: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ تعالی عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔

جواب : یہ روایت مضطرب المتن ہے اور اجماع کے خلاف ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

اشکال نمبر ۴ : کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے سند صحیح کے ساتھ بیس رکعات منقول ہیں؟ جیسے حنفیہ کا دعوی ہے۔

جواب : جی ہاں ! صحیح سند کے ساتھ منقول ہیں۔خود غیر مقلدین کے مترجم اور امام علامہ وحید الزماں نے لکھا: ’’البتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے بسندِ صحیح بیس رکعتیں منقول ہے۔‘‘

(تیسیر الباری ۱۳/ ۱۴۷)

اشکال نمبر ۵ : صاحب فتح القدیر وغیرہ بعض احناف نے آٹھ رکعت تراویح کا ذکر کیا ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

جواب : ہمارے احناف کا مذہب متفقہ طور پر متون میں صرف بیس رکعات کی سنیت کا ہے۔آٹھ کا قول شاذ ہے۔جیسے متواتر قرآن کے خلاف شاذ قراءتیں اور سنتِ متواترہ کے خلاف شاذ اورضعیف روایات متروک اور غیر معمول بہا ہوتی ہیں اسی طرح فقہ میں بھی شاذ اور ضعیف اقوال متروک اور نا قابل عمل ہوتے ہیں۔ایسے شاذ اقوال کو لے کر متواتر عمل کے خلاف پیش کرنا ایسا ہے جیسے شاذ قراءت کو متواتر قرآن اور شاذ روایت کو متواتر حدیث کے خلاف کوئی جاہل پیش کر کے میدان کا فاتح بن جائے، ہمارے احناف کا اصول ہے’’و ان الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جهل و خرق للاجماع ‘‘یعنی قاضی کا حکم کرنا یا مفتی کا فتوی دینا مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کے خلاف ہے،یعنی باطل اور حرام ہے(درمختار ا/۴۷،ایچ ایم سعید)

چیلنج

عہد فاروقی سے لیکر بارہویں صدی کے اواخر تک بیس رکعات یا بیس سے زیادہ کے سب قائل تھے ۔کہیں اور کسی مسجد میں جماعت آٹھ کی نہ ہوتی تھی۔اگر غیر مقلدین اس کے خلاف مدعی ہیں تو صحیح سند سے اور ٹھوس حوالوں سے ثابت کریں کہ کہاں اور کس مسجد میں جماعت آٹھ رکعت کی ہوتی تھی۔

حضرۃ مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب دامت برکاتہم کی چند کتابیں

ناشر

جامعہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم (رجسٹرڈ)
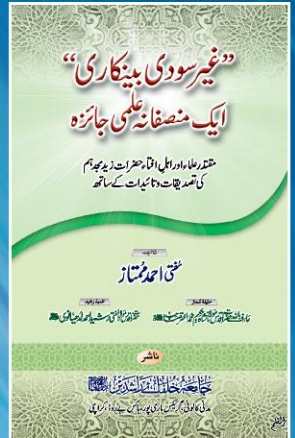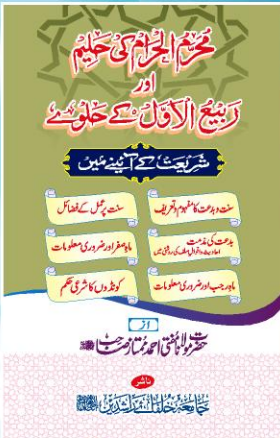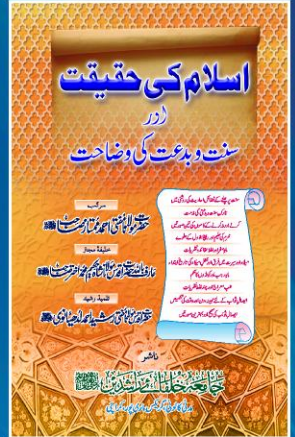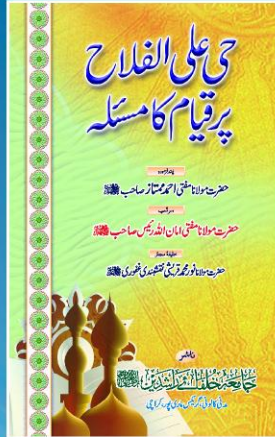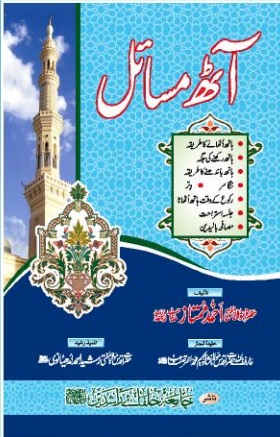
مدنی کالونی، گریکس ماری پور، ہاکس بے روڈ، کراچی

فون : 021-2352200